ذیقعد/ذوالحج 1431ھ نومبر 2010ء

ماہنامہ المرشد

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

اَلشَّيْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (بخاری)

کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرے وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادالٰہی سے غافل ہو آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (الحدیث)

اللہ
رسول
محمد

قلب سلیم یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے عہد کرنے کے بعد اسے مرتے دم تک نبھائیں۔

حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

بانی حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ المرشد

نومبر 2010ء ذیقعد/ذوالحج

جلد نمبر 32 | شمارہ نمبر 3

مدیر محمد اجمل

سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد

قیمت فی شمارہ 25 روپے

PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
قلب سلیم	امیر محمد اکرم اعوان	7
خواجہ محمد معصوم تبلیغی مساعی	ڈاکٹر عبدالغنی	12
مسائل السلوک	امیر محمد اکرم اعوان	20
فنافی الرسول کا عملی نمونہ	فیض الرحمٰن اسلام آباد	29
ایمان اور کفر کیا ہے؟ (اکرم التفاسیر)	امیر محمد اکرم اعوان	34
من الظلمات الی النور	محمد یوسف۔انگلینڈ	41
KHALOOS (Sincerity)	امیر محمد اکرم اعوان	46
سوال وجواب	امیر محمد اکرم اعوان	47
CARE TO LOOK AT THE HAZY CANVAS	امیر محمد اکرم اعوان	53
Hayat-e Javidan	ابوالاحمدین	56

انتخاب جدید پریس لاہور 0423-6314365 ناشر عبدالقدیر اعوان

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فاریسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562255, email: darulirfan@gmail.com

ایثار و قربانی کا آغاز ''اڑھائی فیصد'' کے بعد ہوتا ہے

وطن عزیز جب بھی کسی ناگہانی آفت سے دوچار ہوا' ایثار و قربانی کے عظیم جذبے دیکھنے میں آئے۔ اکتوبر 2005ء کے زلزلے نے کشمیر' ایبٹ آباد' بالاکوٹ اور کوہستان کی اکثر بستیوں کو تہ و بالا کر دیا تو پوری قوم نے امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ جذبے ماند پڑ گئے۔ اب بھی ماہ اکتوبر کی آمد کے ساتھ ہر سال اس ہولناک زلزلہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جس میں ہونے والے جانی نقصانات کی تلافی تو ممکن نہیں لیکن زمین بوس بستیوں کے مکین یہ ضرور دریافت کرتے ہیں کہ ان کے گھروں کی تعمیر کے وعدے کب ایفا ہوں گے؟ کھلے آسمان تلے کلاسوں میں بیٹھے ہوئے معصوم بچے یہ سوال کرتے ہیں' ہمیں ہمارے سکول کب ملیں گے؟ اس سے قبل کہ ان سوالوں کا جواب مل سکے' اکتوبر گزر جاتا ہے۔ ایسے کتنے ہی اکتوبر آئیں گے اور گزرتے چلے جائیں گے' وزارتیں اور حکومتیں بدلتی رہیں گی اور ان کے لئے نئے ماڈل کی گاڑیاں بھی لیکن یہ سوال تشنہ ہی رہیں گے۔

پاکستان اب سیلاب کی صورت ایک اور المیہ سے دوچار ہے جس سے قریباً ڈھائی کروڑ لوگ متاثر ہوئے اور ورلڈ بینک کے مطابق سینتیس بلین ڈالر کا معاشی نقصان ہوا۔ قوم نے ایک مرتبہ پھر فقید المثال جذبوں کا اظہار کیا اور جس کسی نے بھی مالی امداد کے لئے اپیل کی' حسب توفیق اس سے تعاون کیا۔ تحریک الاخوان نے جس طرح 2005ء کے زلزلہ کے بعد ایک عرصہ تک ترسیل امداد کا سلسلہ جاری رکھا تھا' اب سیلاب زدگان کے لئے بھی امدادی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ ایک فریضہ ہے جسے قوم کے ہر فرد نے ادا کرنا ہے اور اپنی بساط کے مطابق ہم بھی ادا کر رہے ہیں۔

اگرچہ ہر سطح پر امداد کی بات کی جا رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ خدشات بھی منڈلا رہے ہیں کہ جن امدادی منصوبوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے' کیا وہ مکمل بھی ہو سکیں گے؟ حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی نے اس ضمن میں ایک بنیادی غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جو کسی حد تک پوری قوم کی سوچ بن چکی ہے۔ امدادی کام شروع ہوتے ہیں لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتے کیونکہ ہماری اجتماعی سوچ ''اڑھائی فیصد'' کی دیوار میں مقید ہو کر رہ گئی ہے۔ زکوٰۃ کی مد سے کچھ رقم نکال کر اسے ایثار و قربانی سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ یہ تو ایک قرض تھا جسے بہر صورت ادا کرنا تھا۔ حضرت امیر المکرم فرماتے ہیں کہ ایثار تو اس وقت ہو گا جب اڑھائی فیصد زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی 97.5% میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ جب پوری قوم کی سوچ اڑھائی فیصد کی فصیل سے باہر نکل کر انفاق فی سبیل اللہ کی خوگر ہو گی تو ہمیں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہ رہے گی۔ لہٰذا یہ وقت ہے سوچ کی تبدیلی کا' انفرادی سطح پر بھی اور بحیثیت قوم' اجتماعی سطح پر بھی۔ اللہ کی راہ میں صرف ایک اڑھائی فیصد ہی نہیں' دو تین چار' حتیٰ کہ کئی اڑھائی فیصد ادا کرو گے تو اسے ایثار و قربانی کہا جائے گا جسے لوٹانے والی رب کی ذات ہے اور وہ اس قدر لوٹائے گا کہ شمار بھی نہ کر سکو گے۔

ابوالاحمدین

اقوالِ شیخ

☆ تصوف میرے نزدیک لفظ تزکیہ کا ترجمہ ہے جس سے مراد دل کی صفا ہے اور صفائے دل کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ عقائد نکھر کر شفاف ہو جاتے ہیں، عظمت باری کا یقین، رسالت پر ایمان اور ضروریاتِ دین کے ساتھ پختہ تر ایمان نصیب ہوتا ہے۔

☆ رضائے باری کے حصول کا واحد ذریعہ اتباعِ رسالت اور اجتناب عن المعاصی یعنی گناہ سے پرہیز ہے۔

☆ کتاب اللہ کے مطابق ہر مومن کو ایک درجہ ولایت کا نصیب ہوتا ہے اور بنیادی طور پر ہر مومن ولی اللہ ہوتا ہے۔

☆ شیخ کی توجہ دراصل برکاتِ نبوت ﷺ کا ہی پرتو ہوتی ہے اور اتنا کام کرتی ہے جتنا شاید صدیوں کی محنت نہ کر سکے۔

☆ یہ تہذیب حاضرہ کی دَین ہے کہ ہم قتلِ عام میں ملوث ہیں، ہر بندہ دوسرے کا جانی دشمن ہے یہ عذاب الٰہی ہے اللہ دلوں میں دشمنی پیدا کر دیتے ہیں! جب لوگ بدکار ہو جاتے ہیں۔ برائی میں بدکاری میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

☆ ایمان وہ کام ہوتا ہے جو بندے کو مجاہدے پر مجبور کر دے، ایمان کی قوت ہی بندے کو استعداد کار عطا کرتی ہے۔

☆ جس بندے کے اندر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میں کون ہوں مجھے کس نے تخلیق کیا ہے، گویا وہ انسان ہی نہیں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ اور اس کا قلب تقویٰ کے وصف سے پر ہو۔

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد ورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

30-07-09

قلبِ سلیم

حضرت شیخ المکرم
امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

سورۃ الشعرآ 87-88-89 کی یہ آیۃ مبارکہ ہیں سیدنا ابراہیمؑ کی بات ہو رہی ہے ان کی دعا کی بات ہو رہی ہے۔

تمام اعمال و عبادات کا حاصل تمام حیات کا حاصل، محنت و مجاہدے کا حاصل یہ ہے جو انہوں نے فرمایا وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ اے اللہ! جب ساری مخلوق زندہ ہو کر اٹھے گی تیری بارگاہ میں حاضر ہوگی تو اس روز میری عزت رکھنا مجھے ان لوگوں میں شامل نہ کرنا جو رسوا ہو گئے۔

ساری زندگی کا انسانی اعمال کا عبادات کا اذکار کا حاصل یہ ہے اور اس کا سبب ارشاد فرمایا کہ اُس دن کسے عزت نصیب ہوگی؟ کسی مالدار کو؟ عہدہ دار کو حکمران کو؟ کسی صاحب ثروت کو؟ دولت مند کو؟ یا کسی بڑے قوت بازو والے شخص کو؟ جس کا بہت بڑا خاندان ہو اولاد ہو اور بھائی بہنیں ہوں اور بڑا دبدبہ ہو۔ فرمایا نہیں اس دن یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اس دن مال و دولت عہدہ و مرتبہ دنیاوی جاہ و حشمت ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ قوت بازو اولاد، بھائی، بہن، طاقت، کسی قبیلے کا سردار ہونا، طاقت ور ہونا، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ہاں اسے عزت ملے گی جو اپنے قلب کو سلامت لایا۔ قلب کی سلامتی کیا ہے؟ قلب سلیم یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے عہد کرنے کے بعد اسے مرتے دم تک نبھانا۔

میں آج ناشتہ کرتے وقت ٹیلی وژن پہ دیکھ رہا تھا کہ بہت کم وقت ہوتا ہے کبھی ناشتہ کرتے وقت، شام کا کھانا کھاتے وقت کیا خبریں ہیں؟ کیا حالات ہیں؟ تو آج ایک مباحثہ لگا ہوا تھا۔ ٹی وی والے کسی وکیل صاحب سے پوچھ رہے تھے وزیر بھی رہے ہیں پرویز مشرف کے بارے میں کہ پرویز مشرف پر مقدمات بننے شروع ہو گئے ہیں شاید عدالتیں یہ کریں وہ کریں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں تک ساتھ دیں گے پرویز مشرف کا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں آخری سانس تک پرویز مشرف کا ساتھ دوں گا اس لئے کہ میں اس کا وزیر رہا ہوں اور میں نے عہد کیا تھا اس کے ساتھ میں اپنا عہد نبھاؤں گا۔ تو میں سوچ رہا تھا کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارا پہلا عہد اللہ کریم کے ساتھ ہے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد ہے کیا اس کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے جتنی ہم کسی فرد کے ساتھ عہد کرتے ہیں تو اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر آپ ایک فرد کے ساتھ عہد کرتے ہیں تو اس کی اہمیت ہوتی ہے اگر آپ ایک فرد کے ساتھ یا پرویز مشرف یا حکمران کے ساتھ عہد کر چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرتے دم تک نبھاؤں گا تو جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد کیا ہے اس کی کیا اہمیت ہے۔ قلب سلیم یہ ہے کہ جو اللہ کے اور

اس کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد کرتا ہے مرتے دم تک اس پر حرف نہ آنے دے زندگی میں بے شمار مقامات آتے ہیں اور ہم ہر مقام پر ہر روز بے شمار فیصلے کرتے ہیں۔قلب سلیم وہ ہے جو ہر فیصلہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرے اور مخالفت میں نہ جائے، مالی نقصان، مادی نقصان ہوجائے تکلیف آجائے، وہ برداشت کرلے۔لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضگی مول نہ لے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ گنتی کے صوفیا میں سے ہیں تبع تابعین کے بعد، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کاروبار تھا تجارت فرماتے تھے اور درآمد و برآمد کا کام کرتے تھے۔ بحری جہازوں پر مال لایا جاتا تھا اور بحری جہاز باہر بھیجے جاتے تھے۔

ایک دفعہ کہیں تشریف فرما تھے تو اطلاع آئی کہ ان کا سامان سے لدا ہوا جہاز ڈوب گیا ہے۔آپؒ نے ذرا سا توقف فرمایا اور زبان مبارک سے نکلا الحمدللہ پھر اسی مجلس میں کچھ دیر بعد اطلاع آئی کہ وہ اطلاع غلط تھی اور جہاز سلامتی سے واپس آرہا ہے۔آپ نے پھر ذرا توقف فرمایا اور ارشاد فرمایا الحمدللہ۔تو جو لوگ ان کی مجلس میں حاضر تھے تو انہوں نے عرض کی کہ حضرت! جب اطلاع آئی کہ جہاز ڈوب گیا ہے تو آپ نے کہا الحمدللہ اور پھر اطلاع آئی کہ نہیں ڈوبا تو آپ نے فرمایا الحمدللہ یہ دونوں طرف الحمدللہ؟ سمجھ نہیں آئی۔انہوں نے فرمایا میں نے تو نہ جہاز کے ڈوبنے پر الحمدللہ کہا ہے نہ اس کے تیرنے پر کہا۔مجھے تو جہاز کے ڈوبنے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے دل پر نظر کی تو مجھے پتہ چلا کہ دنیا کی محبت اسمیں نہیں ہے کہ ڈوب گیا تو یہ رونے بیٹھ جائے۔تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور جب جہاز کے بچ جانے کی خبر آئی تو میں نے اپنے قلب کو دیکھا تو اس میں کوئی خوشی نہیں تھی کہ بچ گیا تو خوش ہو رہا ہے۔ٹھیک ہے بس ایک دنیاوی کام ہو رہا ہے۔تو میرا دل سلامت تھا تو میں نے اس پر دونوں دفعہ الحمدللہ کہا کہ نہ ڈوبنے کی خبر سے پریشان ہوا ہے نہ تیرنے کی خبر سے اس میں کوئی بے انتہا خوشی آئی وہ اپنے حال پر اپنے اللہ کے ساتھ قائم ہے میں نے تو دونوں حالتوں میں اپنے دل کے سلامت رہنے پر الحمدللہ کہا۔تو قلب سلیم سے مراد یہ ہے کہ نہ وہ دنیاوی مال و دولت یا دنیاوی کامیابیوں پر حد سے باہر ہوجائے ورنہ وہ دنیاوی مصائب پر گھبرا کر اللہ کریم کو چھوڑ کر غیر اللہ کے دروازے پر دھکے کھانے لگ جائے تو فرمایا اس روز جب فیصلے ہوں گے تو قلب سلیم پر ہوں گے۔اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لاتے ہیں تو وہ اگرچہ طریق کار یا ظاہری باتیں ظاہری قوانین، عقائد و نظریات و اعمال و کردار، حسن گفتار، اخلاقیات، معیشت، سب موضوعات پر بات کرتے ہیں لیکن وہ صرف ظاہراً ہی ارشاد نہیں فرماتے بلکہ وہ بنیاد سے یعنی پہلے جملے سے کلمہ طیبہ کے اقرار سے۔

لا الہ الا اللہ کے اقرار سے قلب کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور انبیاءؑ کی تعلیمات میں ظاہر سے زیادہ باطن کا اثر ہوتا ہے۔قلب کا اثر ہوتا ہے اور ان کی نظر اور ان کی برکات براہ راست انسانی قلوب کو متاثر کرتی ہیں باقی دنیا میں مشاہیر عالم آتے ہیں لوگوں کے قوموں کے لیڈر بھی بنتے ہیں۔ پیشوا رہنما بھی بنتے ہیں بہادر بھی ہوتے ہیں مقرر بھی ہوتے ہیں لیکن سب زبانی باتیں ہوتی ہیں یہ صرف انبیاءؑ ہیں جو زبانی اقرار کے ساتھ تصدیق قلبی کا مطالبہ پہلے جملے سے کرتے ہیں اور اگلی ساری زندگی کا سارے دین کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ اعضاء و جوارح، گفتار و کردار شریعت کا اتباع کریں اور قلب سلیم کے ساتھ کریں۔دل بھی ساتھ دے۔ہم سے شریعت کا اتباع کیوں چھوٹ جاتا ہے؟ اس لئے کہ ہمارے یقین میں کمزوری آچکی ہے مدت مدید سے مسلمان ہیں ہم میں سے بعض اقوام ایسی ہیں جو ابتدائے اسلام سے مسلمان آرہی ہیں بعض ایسی ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئیں لیکن انہیں بھی صدیاں بیت گئیں۔تو پشت ہا پشت سے ہم مسلمان ہیں۔برصغیر میں صحابہ کرامؓ پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہ، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی آمد ہوئی صحابہ کرامؓ کی آمد ثابت ہے تو تابعین، تبع تابعین کے عہد میں تو بہت سا علاقہ اسلامی ریاست

میں شامل ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ سراندیپ میں آئے، چین تک پہنچے، افغانستان سے گزرے۔ تو یہ وہ اقوام ہیں جو اس عہد سے اسلام قبول کرتی آرہی ہیں جو نسلاً بعد نسلاً مسلمان آرہے ہیں۔ تو اتنے عرصے میں چودہ صدیوں میں ہمیں وہ یقین حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سے اتباع شریعت چھوٹ جاتا ہے فرائض تک چھوٹ جاتے ہیں عبادات چھوٹ جاتی ہیں۔ حلال وحرام سے ہمیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، ہمیں کوئی احساس نہیں ہوتا، کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساری کیفیات بنیادی طور پر قلب میں مرتسم ہونی چاہئیں قلب کو ان کا ساتھ دینا چاہیے جب قلب ساتھ نہیں دیتا تو پھر وہ اہمیت نہیں بنتی پھر ایک رسم رہ جاتی ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ بڑی خوبصورت آواز سے اور بڑی اچھی طرح سے زیر وزبر کا خیال رکھ کر خوبصورت قرأت کریں گے اور خوبصورت انداز سے قرآن پڑھیں گے۔ لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اس کا اثر قلب پر نہیں ہوگا جب قلب پر نہیں ہوگا تو کردار پر نہیں ہوگا۔ اگر قرآن کریم کا اثر کردار پر نہیں ہوگا تو اس سے بڑی دوسری کتاب تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اگر آج ہم اپنی زندگی میں دیکھیں کہ کیا ہمیں اس بات کا خیال ہوتا ہے کہ ہم جو کام کرنے لگے ہیں اس کی قرآن وسنت میں اجازت ہے؟ اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ جو میں کرنے جا رہا ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ بات اکثریت کی ہوتی ہے اگر ہم اپنی اکثریت کا خیال کریں تو ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ دین سے ظاہری رشتہ ہے۔ قلبی تعلق نہیں ہے ورنہ جن کے دنیاوی تعلقات بھی دلی طور پر ہوں وہ بھی اپنی جان دے دیتے ہیں۔ تعلق پر حرف نہیں آنے دیتے۔ لوگوں کے، لوگوں کے ساتھ ایسے ایسے تعلقات ہیں جیسے بھٹو صاحب پر مصیبت آئی وہ جیل میں چلے گئے لیکن کتنے ہی لوگوں نے اپنے آپ پر تیل چھڑک کر خود کو آگ لگا لی۔ اس سے ان کو کوئی فائدہ ہوا یا نہیں ہوا ان سے مصیبت ٹلی یا نہ ٹلی لیکن اس بندے کے جنون کا تو پتہ چلتا ہے جس نے اپنے آپ کو زندہ جلا لیا صرف یہ احتجاج کرنے کے لئے کہ بھٹو صاحب کو چھوڑا جائے یہ ہم سب کے سامنے ہوتا رہا ہے۔

چند برس پہلے کی بات ہے میاں نواز شریف کو جو سزائیں ہوئی تھیں اور سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ نے انہیں جب بری کر دیا تو پورے ملک میں ڈھول بجنے لگے مٹھائیاں بٹنے لگیں، لوگ اچھل اچھل کر سڑکوں پر آئے اور پورا ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔

ہم سب کی یہ وفا جو افراد سے وابستہ ہے کیا کبھی اس کا مظاہرہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی ذات سے بھی کیا ہے، کبھی ہم نے اس وفا کا اطلاق اللہ کی عظمت پر بھی کیا ہے؟ کہ میں جل سکتا ہوں لیکن اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ مجھے آپ قتل کر سکتے ہیں مگر میں حضور اکرم ﷺ کی اطاعت سے باہر نہیں جاؤں گا۔ کبھی ایسی جرأت بھی ہم نے کی ہے؟ یا کوئی مظاہرہ سننے میں آیا؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا اس لئے کہ دین ہمیں وراثتاً مل گیا ہے۔ کسی نہ کسی طبقے میں تو شامل ہونا تھا تو ہم اسلام میں شامل ہو گئے۔ اسلام دل میں نہیں اُترا۔ دل میں اُتر جاتا تو پھر بات بنتی۔ جن کے دلوں میں اللہ نے اُتار دیا ہے الحمدللہ وہ قربانیاں دیتے ہیں لیکن دین کے خلاف نہیں جاتے۔

اللہ کریم نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ (سورۃ الحجر) ترجمہ: ہم نے ہی اسے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ تو حفاظت سے مراد صرف قرآنی الفاظ کی حفاظت نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ تو لوحِ محفوظ میں بھی محفوظ ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کی زمین پر بھی حفاظت فرمائیں گے اس کے الفاظ بھی سلامت رہیں گے اس کے مفاہیم بھی موجود رہیں گے، ہزار کوشش کے باوجود ہزار تحریف کے باوجود کفار اس کو تبدیل نہیں کر سکیں گے اور اہل حق اس کا دفاع کرتے رہیں گے اور اس پر عمل کرنے والے بھی موجود رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ سے جب یہ عرض کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کوئی نشانی فرما دیجئے قیامت کب قائم ہوگی۔ ارشاد ہوا۔ حتی لایقال اللہ

اللہ اوکما قال رسول ﷺ۔ (مسلم) جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا۔ اللہ کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ اللہ تو قلب کی بات ہے۔ زبان سے تو لوگ کرتے رہتے ہیں۔ کرتے کچھ ہیں اور کہتے کچھ اور ہیں۔ تو یہ بنیادی بات ہے کہ دین کو دل میں اُتارا جائے دل کو زندہ کیا جائے دل سے وہ بات منوائی جائے اتباع شریعت کی لذت دل محسوس کرے اور جہاں سے غلطی ہو جائے بتقاضائے بشریت ٹھوکر لگ جائے تو وہاں اسے دکھ محسوس ہو، توبہ کرے، رجوع الی اللہ کرے، اس کی تلافی کرے۔ یہ مقصد حیات ہے اور زندگی میں اگر صرف آپ الفاظ ومعنی سے کھیلتے رہیں اور دل کی طرف توجہ ہی نہ فرمائیں تو اللہ قادر ہے۔ وہ بچالے اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ توفیق اطاعت دے۔ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کو ذکر قلبی کی طرف کوئی رہنمائی نہیں مل سکی کوئی ایسا اللہ کا بندہ نہیں مل سکا جو ذکر قلبی کرا دیتا۔ لیکن عملی زندگی میں انہوں نے اطاعت الٰہی کا اپنا ساحق ادا کیا ہے وہ اللہ کے مقربین میں سے ہیں اس کے باوجود کہ ان کو کوئی ذکر کرانے والا نہیں ملا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے قلب کو سلامت رکھا ہے۔ توفیق الٰہی سے اسے سلامت لے گئے ہیں ان کے بڑے مدارج ہیں مگر بہت کم لوگ۔ مگر اب ہم اس جگہ پہنچ گئے ہیں مرورِ زمانہ نے اس زمانے کی دوری نے ہمیں وہاں پہنچا دیا ہے کہ جوں جوں خیر القرون سے اور حضور اکرم ﷺ کے عہد پرنور سے دور ہوتے جائیں گے تو وہ فضا وہ ماحول اور وہ قربتیں اور ان قربتوں کی لذتیں کم ہوتی جائیں گی اور اب ہم اتنے دور پہنچ چکے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک بندے کو ذکر قلبی بھی کرواؤ، مراقبات بھی کرواؤ، لطائف بھی کرواؤ، سب کرنے کے بعد بھی اس کے کردار کی اصلاح نہیں ہوتی۔ عجیب بات ہے یعنی یہ آب حیات ہے اور اس سے دینی حیات نصیب ہوتی ہے اب جو مردہ آب حیات سے بھی زندہ نہ ہو سکے اس کا کیا علاج ہے؟ اس کو ہم کیا دوا دیں گے؟ اب ہم ایسے دور میں آگئے ہیں کہ جہاں لوگ ذکر بھی سیکھتے ہیں، محنت بھی کرتے ہیں، کوشش بھی کرتے ہیں لیکن عملی زندگی میں جائیں تو وہاں پھر چھوٹے چھوٹے لالچ گھیر لیتے ہیں۔ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کریں گے۔ جھوٹ بول جائیں گے۔ دھوکہ دے جائیں گے۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب کہ حضور اکرم ﷺ دار دنیا میں جلوہ افروز تھے اتنی دوری ہو گئی ہے اتنی کم ہمتی آگئی ہے کہ اب ہم محض رسمی سے لوگ رہ گئے ہیں تو اگر ان سب کے باوجود اصلاح نہیں ہوتی تو جن تک یہ نعمت نہیں پہنچتی تو ان کا پتہ نہیں کیا حال ہوتا ہوگا؟ وہ کہاں تک جاتے ہوں گے؟

ہمارے پنجاب کے چیف جسٹس ہوا کرتے تھے اللہ غریقِ رحمت کرے اب فوت ہو گئے میرے ساتھ ذکر بھی کیا کرتے تھے۔ اللہ اللہ بھی کیا کرتے تھے ہمارے ایک ساتھی کو ایک مکان کرائے پر دے بیٹھے وہاں ایک چھوٹا سا باغ بھی ہوتا تھا نوکر چاکر بھی ہوتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے خالی کرنے کو کہا تو وہ بگڑ گیا۔ کوئی بات ان کے کسی ملازم سے ہوئی تو انہوں نے ایک بڑا اچھا کتا بھی رکھا ہوا تھا رکھوالی کے لئے۔ ساتھی نے اس کتے کو گولی ماردی وہ اس سے بڑے نالاں تھے۔ میرے پاس آئے بڑے خفا تھے کہ یار یہ کوئی شرافت ہے یہ بندہ تمہارے ساتھ اللہ اللہ بھی کرتا ہے۔ میرا مکان خالی نہیں کر رہا۔ میرے کتے کو گولی ماردی۔ کیا فائدہ ہوا اللہ اللہ کرنے کا؟ اور تمہارے محنت کا کیا فائدہ ہوا؟ میں نے کہا چلو دل کی بھڑاس نکالنے دو۔ میں نے ان کی پوری بات سنی۔ اور میں نے کہا کہ حضرت اتنا فائدہ تو ہو گیا اللہ اللہ کرنے کا کہ یہ گولی کتے کو لگی کتے کے بجائے آپ کو بھی مار سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ گولی آپ کو لگتی۔ چلو اللہ اللہ سے کچھ تو فرق پڑا ہے کہ اس نے بندوق آپ کی بجائے کتے کی طرف کردی۔ کہنے لگا کچھ فرق تو پڑا ہے آپ نے ٹھیک کہا ہے ہو سکتا ہے مجھے ہی ماردیتا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بہت بڑا نسخہ ہے یہ آبِ حیات ہے اگر اس کے ساتھ ہماری اصلاح نہیں ہوتی تو اس کے بغیر کیا ہوگا؟ پھر جو لوگ محروم ہیں وہ

خواجہ محمد معصومؒ تبلیغی مساعی

ڈاکٹر عبدالغنی...... ایم اے، پی ایچ ڈی

آج کل بعض اخبارات کے کالموں میں داراشکوہ کی تصانیف سکینۃ الاولیاء اور سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے اس کے حق میں لکھا جارہا ہے اور اس آڑ میں حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جو محی الدین کے لقب سے موسوم ہیں کو مطعون کیا جارہا ہے۔ زیر نظر مضمون میں جو المرشد کے صفحات میں سے لیا گیا ہے۔ داراشکوہ کے نظریات وعقائد کا جائزہ لیا گیا ہے۔

داراشکوہ کے حالات کا مطالعہ صرف اورنگ زیب عالمگیر کے حوالے سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس عظیم تحریک احیائے اسلام کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اکبر کے الحاد پرور مشاغل اور بعض یوگ نواز ارباب تصوف کے طور طریقوں کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے معاصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی۔ اکبر نے جو حالات پیدا کیے تھے ان کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فقرہ ذہن میں رکھنا کافی ہے:

"در قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلاء اجرائے احکام کفر در دار اسلام می کردند ومسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند"

(مکتوبات دفتر اول حصہ دوم ص ۲۲)

شاہی حمایت کی وجہ سے جہاں اہل ہنود کا استیلا ہو چکا تھا وہاں بعض صوفیہ کی رواداری کے باعث مسلمانوں کی دینی زندگی میں یوگ اور ویدانت کا نفوذ بھی جاری تھا سلسلہ مداریہ میں ہندو دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی اس کا ذکر اس لحاظ سے موزوں نہیں کہ ان لوگوں نے شریعت کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ ہم صرف شطاری بزرگوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ جو پابند شریعت ہوتے ہوئے بھی یوگ کے اشغال واطوار اختیار کرلیا کرتے تھے۔ ان حالات کی بنا پر خالص اسلام کی طرف عود کرنے کی تحریک بڑے زورشور سے شروع ہوئی اور جب داراشکوہ کی عمر ۴۰ برس کے لگ بھگ تھی اس وقت اس تحریک کا ہر طرف چرچا تھا۔ علماء ومشائخ، عوام اور مغل امراء کی غالب اکثریت بھی دل وجان سے اس کی حامی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق 10 دسمبر ۱۶۲۴ء کو ہوا۔ اور دو روز بعد یکم ربیع الاول یعنی ۱۲ دسمبر کو آپ کے فرزند خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ سال کی عمر میں آپ کی مسند پر بیٹھے۔ داراشکوہ کی عمر اس وقت صرف دس سال تھی وہ تو ابھی مہد نعمت وناز میں پرورش پا رہا تھا۔ مگر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علوم معقول ومنقول میں حصول کمال کے بعد فقر کے مدارج علیا طے کر چکے تھے۔ اور ہر لحاظ سے اس قابل تھے کہ احیائے اسلام کی محولہ بالا تحریک کو چلائیں۔ چنانچہ انہوں نے وسط ایشیاء بلاد عرب اور برصغیر میں اس تحریک کو بڑی شدومد کے ساتھ پھیلایا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے جہاں متابعت سنت نبوی پر زور دیا وہاں تصوف کی بھی ہر طرح شرع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تطبیق دی۔ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی مقاصد کو مطمح نظر بنایا۔ اور جب انہوں نے بڑی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی مساعی کو لگاتار تیس ۳۰ سال تک جاری رکھ کر تجدید

واحیائے دین کا کارنامہ اپنے خیال کے مطابق انجام دے لیا تھا اور سرہند شریف احیائے اسلام کی تحریک کا صحیح معنوں میں سرچشمہ بن چکا تھا تو داراشکوہ کے دل میں وہی تخم الحاد پھوٹ پڑا جس کی پرورش اکبر نے کی تھی اگر یہ بڑھ کر تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا تو اس کا زہر آلود سایہ اس ہری بھری فصل کو خاک سیاہ میں تبدیل کر کے رکھ دیتا جس کی آبیاری حضرت مجددؒ اور شیخ محدثؒ، شیخ عبدالوہاب متقیؒ اور خواجہ معصومؒ نے کی تھی۔

روضۃ القیومیہ (ترجمہ اردو ص ۸۵، ۸۶) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ کی اس روش کی وجہ سے خواجہ صاحبؒ کو سخت تکلیف پہنچی آپ نے دیکھ لیا کہ اگر داراشکوہ کے یہی لیل ونہار رہیں تو برصغیر میں اسلام کو اکبر کے زمانے سے بھی زیادہ صعب ناک آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اکبر کے مقابلے میں داراشکوہ ایک فاضل انسان تھا عربی، فارسی اور سنسکرت تینوں زبانوں پر اسے یکساں عبور حاصل تھا۔

شاہجہان کا زمانہ برصغیر میں نقشبندی اور قادری سلاسل تصوف کے عروج کا زمانہ ہے۔ سرہند شریف میں اگر خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے نقشبندی سلسلے کو ترقی دے رہے تھے تو مدینۃ الاولیاء لاہور میں قادری سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اپنے فیوض وبرکات ہر طرف پھیلا رہے تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کتاب وسنت کے پوری طرح پابند تھے۔ علاوہ ازیں آپ کی ذات میں فقر محمدی کے مطابق ترک وتجرید کا ایک ایسا عجیب نمونہ پایا جاتا تھا کہ جہانگیر جیسے بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"ہر چند خواستم نیازے بگزرانم چوں پایۂ ہمت
ایشان را ازاں عالی تر یافتم خاطر اظہار ایں مطلب
رخصت نداد"

دیکھئے جہانگیر ملاقات کے وقت حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے فقر سے ایسا مرعوب ہوتا ہے کہ نذر و نیاز پیش کرنے کا ذکر بھی زبان پر نہیں لاسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہجہان، داراشکوہ اور شہزادی جہاں آرا بیگم آپ کے بڑے معتقد تھے۔ داراشکوہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو جوتے اتار دیتا تھا اور اس نے آپ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ "سکینۃ الاولیاء" ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء میں لکھا جب اس کی عمر ۲۸ سال تھی۔ اس سے پہلے قادری اور دوسرے سلاسل کے بزرگوں کے حالات کے متعلق اس نے ایک رسالہ "سفینۃ الاولیاء" (۱۰۴۹ھ / ۱۶۳۹ء) میں تصنیف کیا تھا ان دونوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ داراشکوہ ایک حنفی العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے قادری سلسلہ کا بڑا دلدادہ تھا۔ یہاں تک تو اس کی کوئی بات قابل اعتراض نہ تھی بلکہ قادری بزرگوں سے عقیدت نہ صرف اس لئے بلکہ مسلمانان برصغیر کے لئے ایک نیک فال ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا اور داراشکوہ نے ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں حضرت ملا شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کشمیر میں بیعت کر لی۔ آپ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میاں میر کے خلیفہ تھے اور حصول خلافت کے بعد کشمیر میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کا مزار مقبرہ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے باہر لاہور میں واقع ہے۔ طبیعت پر فنائے ذات اور توحید کا غلبہ تھا نہ صرف آپ بلکہ آپ کے مرید بھی توحید وجودی کے حال وقال سے سرشار تھے۔ اس لئے بعض ہندو موحد یعنی ولی رام ولی اور بیگم بیراگی بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اپنی مثنوی میں بیراگی کہتا ہے

وہ چہ خوش فرمود ملا شاہ ما
شاہِ ما آں عارف آگاہِ ما
سین انساں گر نبودے درمیاں

اوّل و آخر نہ بودے غیر آں

یہی وحدت الوجودی مسلک اور یہی ہندو موحد داراشکوہ کی گمراہی کا موجب بنے۔ چندر بھان، برہمن داراشکوہ کا منشی تھا۔ اس کا مشرب بھی یہی تھا "نشۂ توحید" سے سرشار ہو کر داراشکوہ فکری لحاظ سے ان سرحدوں میں پہنچ گیا جو "خالص اسلام" کی اس تحریک کے لئے سخت خطرہ کا موجب تھیں جس کی قیادت ان دنوں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہندی کر رہے تھے۔

داراشکوہ کے افکار میں جو تبدیلی رونما ہوئی اس کا جائزہ ذرا تفصیل سے لینا ضروری ہے۔

اکبر نے عبادت خانہ قائم کیا تھا جہاں وہ تمام مذاہب کے علماء کو مذہبی مسائل پر بحث مباحثہ کی دعوت دیا کرتا تھا۔ مسلمان علماء میں ادیان کے تقابلی مطالعہ کی کمی دیکھ کر اس نے ابوالفضل کی مدد سے دین الٰہی تیار کیا۔ اب ہندو موحدین کے زیر اثر آ کر کم و بیش ایک صدی بعد (اکبر کا سال تخت نشینی ۱۵۵۶ء ہے) داراشکوہ نے "اسرار توحید" سمجھنے کے لئے پنڈتوں، سنیاسیوں اور یوگیوں سے تبادلہ خیالات شروع کیا۔ بنارس اس کی حکومت میں تھا۔ داراشکوہ کے نزدیک یہ علم کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس لئے بڑے احترام کے ساتھ وہ اپنی کتاب "سرِ اکبر" میں اسے "دارالعلم" کہتا ہے۔ وہاں کے چوٹی کے پنڈتوں اور سنیاسیوں کو وہ لال قلعہ کے اندر بلاتا تھا اور ان سے توحید کے متعلق گفتگو کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ داراشکوہ کے میر منشی چندر بھان نے "مطالعہ داراشکوہ و بابا لال" کے نام سے اسی قسم کی ایک گفتگو کو قلم بند بھی کیا جس میں یوگ کے فلسفہ کا ذکر ہے۔

اس تبادلۂ خیالات نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ جس شہزادے نے ابتداء میں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ جیسے باکمال صوفیِ اسلام کے فقر کو حاصل زندگی سمجھا تھا اب ہندوؤں کے فلسفہ میں اسے راہ نجات نظر آنے لگی۔ ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں اس نے رسالہ "حق نما" تصنیف کیا جس میں اس نے بعض ایسی باتیں لکھیں جن پر اہل شریعت معترض ہوئے اس لئے "شطحیات" یا "حسنات العارفین" کے نام سے اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے خیال کے مطابق رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور مشہور مشائخ کے حالت جذب میں کہے ہوئے حقیقی یا وضعی اقوال درج کئے اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسالہ "حق نما" میں جو کچھ اس نے لکھا ہے بالکل درست ہے اور یہ تمام وجد اور ذوق کی رو سے کلمات بلند اور حقائق و معارف ہیں جو اس نے بیان کئے ہیں لیکن زیادہ کھل کر اس نے اپنے خیالات "مجمع البحرین" میں بیان کئے جو ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء میں تصنیف ہوئی اس میں اس نے ہندومت اور اسلام کے درمیان فکری سطح پر اختلافات مٹانے کی کوشش کی۔ اس کے دیباچے میں پنڈتوں کے ساتھ صحبتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بابعضے از محققان ایں قوم و کاملانِ ایشاں
کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک و فہمیدگی
و غائت تصوف و خدایابی رسیدہ بودند مکرر صحبتہا
داشتہ و گفتگو نمودہ جز اختلاف لفظی در دریافت
و شناخت حق تفاوتے ندید از یں جہت
سخنان فریقین را باہم تطبیق دادہ......
رسالہ ترتیب دادہ...... بہ مجمع البحرین
موسوم گردانند"

اس رسالہ میں خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ (م ۸۹۵ھ / ۱۴۵۰ء) کے اس قول کا داراشکوہ نے سہارا لیا کہ "اگر کوئی بہت بڑا مجرم کافر بھی توحید کے متعلق نغمہ سرائی کر رہا ہوگا تو میں اسے سنوں گا" لیکن داراشکوہ یہ نہ سمجھ سکا کہ توحید کے متعلق قرآنی افکار محض ویدانت کا چربہ نہیں اور نہ ہی اس کی یہ تطبیق اسلام اور ہندومت کو ایک ہی حقیقت کے دو مختلف مظہر ثابت کر سکتی ہے۔ اپنے خیال میں

ان دو ہم جنس مظاہر کے باہمی ملاپ سے اس نے اسلام اور ہندومت کے امتیاز کو مٹا دینا چاہا تھا۔ اور اس تحریک کو بے معنی قرار دے دیا تھا جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے محض اس لئے شروع کی تھی کہ رام اور رحیم ایک نہیں یعنی داراشکوہ کے نزدیک حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریک اسلئے بے حقیقت اور ضرر رساں تھی کہ اس کا مقصد دو ہم جنس سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا تھا۔ بنابریں خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا داراشکوہ کے ان خیالات سے پریشان ہونا بالکل قدرتی امر تھا۔ آپ خالص اسلام کے علمبردار تھے۔ انسان کی فکری اور روحانی زندگی کے لئے اسے کافی اور دافی سمجھتے تھے اور نہ تو اس میں کسی قسم کی آمیزش کے روادار تھے نہ کسی اور مذہب یا نظام فکر کو اسلام کا ہم پایہ خیال کرتے تھے۔ ادھر ''مجمع البحرین'' کی تصنیف نے وضاحت کر دی تھی کہ داراشکوہ کے نزدیک اسلام اور ہندومت کی حیثیت بالکل مساویانہ ہے۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقت بین نگاہوں نے بھانپ لیا کہ اگر ان خیالات کی اشاعت برصغیر میں ہوگئی تو پھر اسلام نے اپنی علمی اور فکری تاریخ میں جو کچھ کیا تھا بیکار ہو کے رہ جائے گا۔ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم دھری کی دھری رہ جائے گی اور مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوراق خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اڑ جائیں گے۔

داراشکوہ کے خیالات میں یہ تبدیلی زیادہ شدت کے ساتھ ''سر اکبر'' میں ظاہر ہوئی جو اس نے ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء میں مکمل کی۔ یہ ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب اپنکھت کے تقریباً پچاس ابواب کا ترجمہ تھا جو اس نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اس میں جمیع اسرار سلوک اور اشغال توحید درج تھے ''سر اکبر'' کے دیباچے میں وہ کہتا ہے کہ ''میری نظر اصل وحدت ذات پر ہے، عربی، سریانی، عراقی یا سنسکرت زبانوں پر نہیں اس لئے میں نے بے غرضانہ ترجمہ کر دیا'' داراشکوہ نے سورۃ واقعہ کی یہ آیت نقل کر کے ایک عجیب وغریب دعویٰ کیا:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ کہ یہاں جس کتاب مکنون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد نہ زبور ہے نہ توریت نہ انجیل بلکہ

''از تنزیل چنیں ظاہر می گردد کہ حق لوح محفوظ ہم نیست چوں اپنکھت کہ سر پوشیدنی است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ می شود پس تحقیق شدہ کتاب مکنون ایں کتاب قدیم باشد''

سبحان اللہ! داراشکوہ کے خیال کے مطابق کتاب مکنون سے مراد یہی اپنکھت (اپنشد) ہے اور قرآن مجید کی آیات بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں۔ اب داراشکوہ کے لئے فکری لحاظ سے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ مجمع البحرین میں اس نے عناصر، حواس، صفات الٰہی نبوت، ولایت اور عالم برزخ وغیرہ کے متعلق تصوف اور یوگ کے افکار میں یکسانیت ثابت کی تھی۔ اور اب ''سر اکبر'' کی صورت میں اس کی تحقیق نے وہ کتاب مکنون بھی ڈھونڈ لی تھی جس کے متعلق قرآن مجید نے محض اشارہ کر دیا تھا۔ اور اس سے پہلے ایک ہزار سال کے دوران کسی مسلمان محقق کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ اس ''حقیقت'' تک رسائی حاصل کر لیتا۔ اب ویدانت اور ہندومت کی صداقت میں کیا شک ہو سکتا تھا۔ جو علماء انہیں جھٹلاتے تھے حقیقت میں ''جاہل'' تھے۔ ''رہزن راہ خدا'' تھے۔ (راہزن راہ خدا اور جاہل داراشکوہ کے اپنے الفاظ ہیں)

شبلی نعمانی نے ''سر اکبر'' کے اس دیباچے کو پڑھ کر اگر یہ لکھ دیا تھا کہ ''داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا''، (مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۱) تو چنداں غلط نہیں۔ داراشکوہ نے اپنی عقیدت کا آغاز میاں میر رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مسلمان صوفی سے کیا تھا مگر اس کی ارادت مندی انجام کار اسے بابا لال داس جوگی کے چرنوں میں لے گئی تھی۔ وہ فقر اسلامی کی برتری کا جذبہ لے کر میدان تحقیق میں

اترا تھا۔ مگر اس پر آخر کار یہ بات منکشف ہوئی کہ قرآن و حدیث سے پہلے ایک کتاب مکنون ہندوستان میں موجود تھی جس میں بعینہ قرآنی آیات اور صریحاً احادیث نبوی ﷺ موجود تھیں اب کیا یہ کہنا درست نہیں کہ دارا شکوہ کے اندر سے ایک زنار پوش پنڈت بول رہا تھا۔ اسے اسلام خالص سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ اس کی دلی آرزو تھی کہ جمیع مسلمانان برصغیر اپنکھت اور یوگ کے متعلق وہی اعتقاد قائم کریں جو ولی عہد سلطنت دارا شکوہ کا ہے ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء میں اسے سرکار حصار عطا ہوئی تھی جو صرف ولی عہد کو ملتی تھی اور ۱۶۶۶ء تک جب وہ پنڈتوں اور سنیاسیوں کے ساتھ مل کر اسلام کی شدھی میں مصروف تھا وہ چالیس ہزار ذات کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا اور اسطرح تمام بھائیوں سے سبقت لے گیا تھا اس لئے خطرہ تھا کہ بقول شبلی نعمانی اگر وہ تخت شاہی پر متمکن ہو جاتا تو اسلامی شعائر اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ پورا زور لگا دیتا کہ مسلمان شدھ ہو جائیں۔

مندرجہ بالا حقائق اور اقتباسات کے زیر نظر یہ رائے قائم کرنا قطعاً بے جا نہیں۔ شبلی نعمانی جیسا بالغ نظر مورخ جب آج یہ رائے قائم کر سکتا ہے تو اس زمانے میں تمام حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اور جملہ کوائف سے پوری طرح آگاہ ہو کر خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ایسا صاحب بصیرت قائد ملت کس طرح ان تمام امکانات سے بے خبر رہ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف اپنی اور اپنے گرامی قدر والد رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی تجدید و اصلاح پر پانی پھرتا نظر آیا بلکہ انہوں نے دیکھا کہ اب برصغیر میں خود اسلام کا مستقبل بے حد مخدوش ہو چکا ہے۔

"روضۃ القیومیہ" کے مندرجہ بالا اندراجات پر غور کرنے سے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مستقبل کے ان بھیانک امکانات کی وجہ سے پریشان ہو گئے۔ آپ نے مسند نشین ہونے کے بعد بڑی بلند ہمتی سے کام لے کر اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے کام کو آگے بڑھایا تھا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ نے سلسلہ مجددیہ کو ہر طرح استحکام عطا کیا لیکن دارا شکوہ کی وجہ سے آپ کو جو خطرات نظر آ رہے تھے ان کے دفعیہ کے لئے محض اپنی کوششیں انہیں ناکافی دکھائی دیتی تھیں۔ اس لئے ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء میں جب دارا شکوہ ظاہری اقتدار کے لحاظ سے اپنے تمام بھائیوں سے سبقت لے جا چکا تھا اور مجمع البحرین کی تصنیف کے بعد اس کی پنڈتوں اور جوگیوں سے صحبتیں اپنے عروج پر تھیں آپ نے سفر حج اختیار کیا۔ آپ نبی کریم ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر ہندوستان کا حال زار بیان کرنا چاہتے تھے اور عرض کرنا چاہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کے غلاموں نے اسلام کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے مگر دارا شکوہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس سے محفوظ رہنے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی خاص توجہ درکار ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت قمری ماہ و سال کے ۵۹ برس ہو چکی تھی۔ بڑھاپا تھا اور اس زمانے میں جب کہ سفر کی سہولتیں معدوم تھیں اتنی مسافت کرنا سخت دشوار تھا لیکن مقصد کی بلندی اور پاکیزگی کی وجہ سے آپ نے عجیب و غریب عالی ہمتی اور ذوق و شوق کے ساتھ سارا سفر طے کیا۔ لوگ ہزار در ہزار آپ کے ہاتھ پر بیعت ارادت کرتے رہے۔ آپ کے خلفاء اور ارادت مند بلادِ عرب میں پہلے ہی موجود تھے۔ وہاں آپ کی زبان مبارک سے جو ملفوظات نکلے انہیں "مناقب احمدیہ" کے نام سے ایک نیاز مند مولانا محمد امین نے مرتب کیا لیکن آپ باقی پیران عظام اور سالکانِ راہ خدا کی طرح صرف حرمین شریفین کی زیارت کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ آپ کا مشن اسلام کو ہندوستان میں الحاد و کفر کے خطرناک حملہ سے محفوظ کرانا تھا اس لئے مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے سامنے آپ نے مراقبہ میں اپنی مشکلات حضور اکرم ﷺ کی خدمت

میں پیش کیں۔ مکاشفات کے متعلق ارباب ظواہر جو رائے رکھتے ہیں اس سے غرض نہیں لیکن عربی فارسی اور اردو میں علم تصوف سے متعلق ثقافت پر مبنی جو عظیم ذخیرہ ادب موجود ہے وہ ان کی حقیقت اور مادی دنیا میں اس کے اثرات کا قائل ہے۔ اس لئے اہل علم کے نزدیک اہل اللہ کے مکاشفات کم قابل اعتنا نہیں بہر حال خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ مراقبہ کر رہے تھے لاکھوں بندگان خدا کے روحانی پیشوا سلوک و معرفت میں قیومیت کے انعامات سے سرفراز سالہا سال سے کتاب و سنت کی تعلیمات کو مشرق و مغرب میں بڑی یکسوئی اور بے غرضی سے پھیلانے والے مرد فقیر، اسلام کے شیدائی اور جان نثار بڑی دردمندی اور عجز و نیاز سے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کر رہے ہیں "قبلہ عالم و عالمیان! کارزار ہند میں والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ اور اس خاکسار نے اللہ کا نام بلند کرنے اور حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کو زندہ کرنے کے لئے جن مشکلات کا کوئی پون صدی سے مقابلہ کیا ہے وہ حضور اکرم ﷺ سے مخفی نہیں لیکن اکبر کے ملحدانہ خیالات کا قلع قمع ہوا ہی تھا، حضور اکرم ﷺ کے نام لیواؤں نے اطمینان کا سانس لیا ہی تھا کہ اکبر کی اولاد سے داراشکوہ اسلام کے لئے ایک سخت خطرہ بن کر سامنے آیا ہے سلسلہ مجددیہ کا مخالف ہے اس سلسلہ کے پیروان کار کا دشمن ہے اسلام کو مغلوب کر کے کفر کا استیلاء چاہتا ہے اب حضور اکرم ﷺ کا ہم بیکسوں کے متعلق کیا ارشاد عالیہ ہے۔ یہ فقیر واپس ہندوستان جانے کے متعلق کیا کرے مرید اور وابستگان سرہند میں ہیں "روضۃ القیومیہ اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آنحضرت ﷺ شمشیر بدست نمودار ہوئے اور فرمایا کہ جو شخص تمہارا دشمن ہے اس کے لئے یہ شمشیر قہر الٰہی ہے۔ مراقبہ سے سر اٹھایا تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے داراشکوہ ہندوستان میں مارا گیا (داراشکوہ در ہندوستان کشتہ شد) ہمیں ان واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو ہندوستان میں تخت نشینی کے موقعہ پر رونما ہوئے مختلف تواریخ سے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ہمیں صرف اس بات سے غرض ہے کہ جب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء میں حج سے واپس ہوئے تو ۳۰ اگست ۱۶۵۹ء کو داراشکوہ قتل ہو چکا تھا۔ سیر المتاخرین میں ہے کہ اس کے قتل کا فتویٰ مجمع البحرین کے مندرجات کی بنا پر دیا گیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال کیا آپ کے مرید مغل امراء نے جنگ تخت نشینی میں اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ اور روضۃ القیومیہ میں ہے کہ خود اورنگ زیب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء میں جب کہ اس کے شہزادگی کے ایام تھے مرید ہوا تھا۔ تواریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اورنگ زیب، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر افراد خاندان کا بڑا ارادت مند تھا۔ تاہم روضۃ القیومیہ کے بیان کو ہم اس لئے حقیقت سے بعید نہیں سمجھتے کہ اورنگ زیب نے شاہی محل میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مصاحبت کی درخواست کی تھی۔ آپ نے یہ منظور نہ کی۔ لیکن اپنے فرزند خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھیج دیا جنہوں نے ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء میں اورنگ زیب کے محل میں اقامت اختیار کی۔ خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ اورنگ زیب کو باقاعدہ توجہ دیا کرتے تھے اور اس کی روحانی ترقی کے متعلق خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو باقاعدہ رپورٹ بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے عرض کر بھیجا کہ اورنگ زیب اپنے اندر لطیفۂ اخفیٰ کی مناسبت رکھتا ہے۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً اپنے مکتوب ۲۳۲ میں تحریر فرمایا کہ فقیر کی رائے بھی یہی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ لطیفۂ اخفیٰ کی ولایت سب ولایات سے اونچی ہے اور اسے حضور اکرم ﷺ سے خصوصیت حاصل ہے۔

خواجہ سیف الدینؒ ظاہری اور باطنی علوم کے جامع اور صوری اور معنوی کمالات کے مالک تھے۔ زہد ورع تقویٰ عبادت اور اتباع شریعت کے لحاظ سے آپ کی حیثیت امتیازی تھی۔ سنت رسول مقبول ﷺ کی پابندی کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ان صفات کی بناء پر آپ کو محی السنت کہا جاتا تھا۔ دنیا سے نفرت تھی متمول لوگوں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ عشق الٰہی میں سرشار تھے اور مجلس میں عشاق کی طرح منتظر رہتے تھے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تو بے تاب ہو جایا کرتے۔ ایک رات نصف شب گزرنے کے بعد آپ نوافل تہجد کے لئے اٹھے رات کی سکون ریز خاموشی سے اچانک بانسری کی مسحور کن آواز بلند ہوئی سنتے ہی بے اختیار ہو گئے اور چھت پر سے زمین پر آ گرے۔ ہاتھ پر سخت چوٹ آئی ہوش میں آئے تو فرمانے لگے ترک سماع کی بنا پر لوگ ہمیں بے درد کہتے ہیں۔ ہم تو اس بات پر حیران ہیں کہ وہ لوگ سماع کے وقت صبر کیسے کرتے ہیں۔ دوام ذکر توجہ الی اللہ، اور اتباع سنت پر آپ زور دیا کرتے تھے۔ طبیعت میں ایسی قدوسیت اور پاکیزگی تھی کہ کفار بھی آپ کی زیارت کر کے تائب ہو جاتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۶ میں ہوا۔

اللہ اللہ! جس لال قلعے میں اپنکھت اور یوگ کا دلدادہ دارا شکوہ اقتدار رکھتا تھا اب اس کا مالک اورنگ زیب ایسا شاہ دیندار تھا۔ جو سرچشمہ ہدایت صرف قرآن وحدیث کو سمجھتا تھا دارا شکوہ کو اسرار توحید اپنکھت میں نظر آئے جسے اس نے بہ کمال عقیدت ''بید توحید'' کا نام دیا مگر اورنگ زیب دل و جان سے توحید کی ان تعلیمات پر ایمان رکھتا تھا جن کی تصریح اور توضیح آیات قرآنی میں موجود ہے۔ اول الذکر اپنے خیال کے مطابق اصل وحدت ذات پر نظر رکھتے ہوئے زبان عربی وسریانی وعراقی وسنسکرت سے بالاتر ہو چکا تھا۔ لیکن ثانی الذکر کو وحدت ذات کے اسرار صرف عربی زبان میں نازل ہونے والی قرآنی آیات میں پنہاں نظر آتے تھے۔ اور پھر جس لال قلعے میں بابالال داس یوگی سے گفتگو کو سرمایہ بصیرت سمجھا جاتا تھا اور پنڈتوں اور سنیاسیوں کی صحبت کو شناخت حق کا وسیلہ تصور کیا جاتا تھا وہاں اب خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسا پابند شریعت مسلمان صوفی اورنگ زیب کو توجہ دینے کے لئے قیام پذیر تھا۔ اور حضرت مجددؒ جیسے اکابر صوفیہ اسلام کی تعلیمات سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں تھی۔ راقم السطور کے نزدیک کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے جو تحریک فتح مکہ کے وقت کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس نے اب یہاں لال قلعہ کی جاروب کشی کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس ایمان افروز اور ملت پرور تبدیلی کے لانے میں اورنگ زیب کے علاوہ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ نے بھی تاریخ ساز کردار انجام دیا آپ نے اس وقت تک آرام نہ کیا جب تک دارا شکوہ اور اس کی تعلیمات کا قلع قمع نہ ہو گیا۔

اپنکھت کے سرا کبر کے نام سے ترجمہ سے پہلے شیخ محدث محمد غوث گوالیاریؒ شطاری متوفی ۱۵۶۲ء نے یوگ کے متعلق ایک باب ''امرت کنڈ'' کا ترجمہ بحرالحیوۃ کے نام سے کیا تھا اس میں ہندو یوگیوں کی توحید پرستی کے تذکرے ہیں۔ برصغیر کے شطاری صوفیہ اس سے استفادہ کرتے رہے تھے۔ اس ضمن مین حضرت بلھے شاہ اور آپ کے پیر طریقت حضرت شاہ عنایت قصوری متوفی ۱۷۶۸ء کے نام بھی لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن بحرالحیوۃ اور سرا کبر میں جو بنیادی فرق بتایا جاتا ہے اس کا سمجھنا ازبس ضروری ہے۔ بحرالحیوۃ کے متعلق اہل علم کی رائے ہے کہ اس میں امرت کنڈ کے مفہومات کا زنار توڑ کر توحید اور اسلام کی تسبیح ان کے گلے میں ڈال دی گئی ہے۔ اور صاحب تحقیق صوفیوں کے اذکار واشغال سے ان کی تطبیق کی گئی ہے۔ گویا جس طرح حکمائے اسلام نے یونانی افکار کو مسلمان بنایا تھا۔ بحرالحیوۃ میں یوگ کے مفہومات کو بھی کلمہ طیبہ پڑھایا گیا ہے

دوسرے الفاظ میں "الحکمتہ ضالتہ المؤمن" کی تعبیر ہے اس کے برخلاف داراشکوہ نے جب سرا کبر کے دیباچے میں یہ کہا کہ قرآن کی سورۃ واقعہ میں مذکور کتاب مکنون، اپنکھت کی کتاب قدیم ہے اور آیتہائے قرآن مجید بعینہ دراں یافتہ شود"۔ تو اس نے قرآن مجید کی بجائے اپنکھت کو اصل قرار دے دیا اور ہندومت کو اسلام کی اصل کہا۔ واضح ترین الفاظ میں دارشکوہ، قرآن مجید اور اس کی آیات الاسلام کو زنار پوش بنانا چاہتا تھا۔ اس سے بڑا فساد اُمت مسلمہ میں اور کیا ہوسکتا تھا یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی مکمل نفی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو آج برصغیر میں اسلام کے نام لیوا موجود نہ ہوتے۔ میدان فکر میں ملت اسلامیہ کی یہ نہایت المناک شکست ثابت ہوتی اور اسلام یہاں انہی حالات سے دوچار ہو جاتا جن سے حضرت مجددؒ اسے بچانا چاہتے تھے اور اگر خواجہ محمد معصومؒ قدس سرہ العزیز نے داراشکوہیت کا استیصال کیا تو انہوں نے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

سطور بالا کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ داراشکوہ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے کا تعلق اکابر قادری صوفیہ رحہم اللہ کی نیازمندی سے ہے۔ یہ حصہ بیشک قابل تحسین ہے لیکن ۱۰۵۰ھ ۱۶۴۰ء میں حضرت ملاشاہ بدخشیؒ سے بیعت کے بعد اس کی زندگی کا جو دور شروع ہوا وہ اگر محض اپنشدوں کے مطالعہ تک محدود رہتا اور اس مطالعہ کے ذریعے وہ ہندوؤں کو اپنے قریب ترلانے کے علاوہ قران مجید کی تعلیمات کی برتری تسلیم کراتا تو کوئی بھی معترض نہ ہوتا۔ لیکن اس نے الٹا قرآنی فکر پر دیدانت کے فکر کے غلبہ کی راہ پیدا کی۔ جو بالخصوص برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتی تھی بنابریں خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا آتش زیر پا ہونا قدرتی امر تھا۔ آپ کی سازی مساعی کا مقصود اسلام اور مسلمانوں کو نئی زندگی عطا کرنا تھا۔ اورنگ زیب کے حوالے سے وارشکوۃ کے افکار وغیرہ کا مطالعہ بے حد گمراہ کن ثابت ہوا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں وہ اورنگ زیب کی تاج وتخت کی ہوس کا شکار ہوگیا۔ اگر احیائے اسلام والمسلمین کے حوالہ سے داراشکوہ کی زندگی کے دوسرے حصے کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا وہ الحاد کے پودے کی پرورش کرنا چاہتا تھا۔ جو اکبر کی فطرت سے پھوٹا تھا اور اس کا خاتمہ اس کے انہی اعمال واشغال کی وجہ سے ہوا۔

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن مینجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35182727

قارئین المرشد سے

التماس ہے کہ المرشد کے بارے میں اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں اور اس کو زیادہ مفید اور معتبر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں۔

نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اہل حضرات اپنے مضامین بھجوائیں جو ساتھیوں کی رہنمائی اور نئے قارئین کے لیے نفس کی اصلاح کا سبب بن سکیں۔ یا ایسے واقعات وتجربات تحریر فرمائیں جو سبق آموز ہوں۔

(مدیر ماہنامہ المرشد)

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

سورۃ فاتحہ
سورۃ بقرہ

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

24-07-10

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی بڑی خوبصورت تفسیر بیان القرآن کے نام سے لکھی ہے۔ اکثر احباب کی نظر سے گزری ہوگی اس میں انہوں نے ایک بہت اہم کام یہ کیا ہے کہ ہر آیہ کریمہ سے سلوک کا جو مسئلہ نکلتا تھا وہ اس کے ساتھ ساتھ حاشیے میں درج کر دیا ہے کہ کس آیت سے کون سا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ پھر کسی اللہ کے بندے نے ان سب کو جمع کر کے ایک کتاب بنادی ''مسائل السلوک من کلام ملک الملوک'' یعنی اللہ کے کلام سے مسائل سلوک۔ تفسیر بیان القرآن سے اس میں سارے مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ اردو ترجمہ اور اصل متن بھی دے دیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے ''رفع الشکوک'' ترجمہ مسائل السلوک۔ پہلے دیباچہ ہے اس میں انہوں نے اس کی اہمیت اور اس کے فضائل بتائے ہیں اور کس طرح اسے جمع کیا وہ سب لکھا ہے۔ انہوں نے اسے سورۃ فاتحہ سے ہی شروع فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فرماتے ہیں ''سالکین کا مقام اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾ آپ ہی سے درخواست کرتے ہیں۔ بندہ اعانت کی تمکین کا طالب ہوتا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مرید کی ابتدائی حرکت حمد ہے کیونکہ جب سالک کا نفس مزکی ہوتا اور اس کا قلب مجلی ہو جاتا ہے پھر اس میں انوار عنایت جو کہ مقام ولایت کا موجب ہے درخشاں ہوتے ہیں تو یہ نفس مزکی طلب مقصود کے لئے خاص ہو جاتا ہے۔ پس اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کے آثار کو کامل اور اس کے الطاف کو غیر متناہی دیکھتا ہے پس اس پر وہ حمد کرتا ہے اور ذکر کو اختیار کرتا ہے پس اس پردہ ہائے عزت کے پیچھے سے اس کے لئے رب العالمین کے معنی کا حجاب مکشوف ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ ماسوی اللہ کو محل فناء میں اور اپنے کو تربیت میں بقادہندہ کا محتاج دیکھتا ہے پس وہ وحشت اعراض اور ظلمت سکون الی الاغیار سے خلاصی حاصل کرنے کی طلب کرتا ہے اور ترقی کرتا ہے اس پردہ گاہ مقدس کی ہواؤں سے رحمٰن رحیم کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں پھر وہ سراپا پردۂ جمال کے آگے برق ہائے جلال کی چمک کے واسطے سے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے پھر وہ مقام لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ ﴿۱۶﴾ (المومن) میں (یعنی مقام توحید میں) بلسان اضطرار پکارتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے سپرد کر دیا اور ہمہ تن آپ پر متوجہ ہو گیا اس مقام پر پہنچ کر لجۂ وصول میں گھس کر مقام علیین تک پہنچ گیا جس سے اس نے نسبت عبودیت کو محقق کر لیا تو کہنے لگا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور یہاں مقام سالک کی انتہا ہے۔ کیا سید الخلق وحبیب حق صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہیں کرتے کہ آپ کے اس مقام کو کس طرح اس قول سے تعبیر کیا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔ اور بندہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے

تمکین کی درخواست کرتا ہے تقریر میں اس کا بھی ذکر ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں سیدھا راستہ بتلا دیجئے اس سے تمکین کا طالب ہوتا ہے اور اس قول سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے غضب کیا یا رستہ گم ہوئے تلوین سے پناہ مانگی پس طالب کمال کا ہو کر اس نے صعود کیا اور کامل ہو کر اس نے رجوع کیا اور اس لطیفہ کے سبب نماز کو معراج مؤمنین کہا گیا ہے قولہٗ تعالیٰ اِيَّاكَ نَعْبُدُ اس خطاب میں مقام فناء کی طرف اشارہ ہے قولہٗ تعالیٰ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ یہ اشارہ اس طرف ہے۔صراط مستقیم بدون میسر نہیں ہوتا کہ اہل صراط مستقیم کا اتباع کیا جائے جن کو الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے تعبیر کیا گیا ہے صرف کتب و اوراد کافی نہیں۔ نیز اشارہ اس طرف ہے کہ مطلوب صراط مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی یہ صرف منعم علیہ سے خاص نہیں بلکہ تمام مخلوق کو عام ہے"۔

یہ بیان القرآن کے الفاظ تھے۔علماء تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی تو شیطان سر میں مٹی ڈالتا تھا چلاتا تھا کہ یہ انعام جس امت کو عطا ہوا ہے جو اس سورت کو روز پڑھے گا تو اس کا میں کیا بگاڑ سکوں گا؟ یہ میرے قابو سے نکل گئے اور اس کی تشریح میں مولانا آزاد نے ایک پوری کتاب لکھی ہے جو سورہ فاتحہ کی بہت وسیع تفسیر ہے اور ایک ضخیم کتاب ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل السلوک میں جو اس کا جائزہ لیا ہے یہ تصوف و سلوک کے اعتبار سے لیا ہے اور بڑا خوبصورت جائزہ لیا ہے فرماتے ہیں کہ بندہ سب سے پہلے اللہ کی حمد بیان کرتا ہے کہ ساری خوبیاں سارے کمالات اللہ کے لئے ہیں۔کہیں گل میں رنگ ہے یا خوشبو ہے۔پھل میں ذائقہ ہے یا شیرینی ہے۔کسی شجر و حجر میں کوئی کمال ہے۔کسی بوٹی یا سبزے میں شفا ہے۔کوئی غذا ہے،کوئی دوا ہے،کہیں دودھ کی شیرینی ہے،کہیں نیند کی راحتیں اور لذتیں ہیں۔کہیں صحت کے مزے ہیں۔انسانی زندگی ہے اور انسان کے بے پناہ کمالات ہیں علمی بھی اور عقلی بھی لیکن حقیقتاً سارے مظاہر ہیں اللہ کی قدرت کے۔سارے کمال اس کے ہیں۔مخلوق میں جس میں بھی کوئی کمال ہے وہ اس کا ذاتی نہیں ہے اس کا دیا ہوا ہے۔یہ سارا مفہوم ایک لفظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں آجاتا ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عالمین میں اللہ کے سوا ساری کائنات آجاتی ہے زمین، آسمان، عرش، عالم خلق سارا ہی عالمیں میں آجاتا ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب کا رب وہ ہے۔سب کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا دیا ہوا ہے۔بندہ سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اللہ کی بارگاہ میں قبلہ رو ہو کر باوضو ہو کر ہر فرض کی ہر رکعت شروع کرتا ہے تو سب سے پہلے یہی کہتا ہے کہ یہ بات طے ہے کہ جو کچھ بھی ہے جو کچھ مجھے نظر آتا ہے یا جو میرے علم میں ہے یا جو مجھے نظر نہیں آتا یا جو میرے علم میں نہیں مگر ہے، جو موجود ہے سب اس کا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ال لگا کر پڑھتا ہے یعنی الحمد جسے تعریف کہا جاسکتا ہے جسے خوبی اور کمال کہا جاسکتا ہے وہ خوبی اور کمال سارے کا سارا اللہ کا ہے پھر فرماتے ہیں جب وہ یہ اقرار کرتا ہے اور اس پہ یقین رکھتا ہے اور اس پر قائم ہو جاتا ہے تو رحمٰن و رحیم کی رحمت کے جھونکے اس پر چلتے ہیں الرحمٰن الرحیم کی کیفیت، باد بہاری کی طرح رحمت الٰہی اس کے قلب پہ وارد ہوتی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اے اللہ تو ہی روز جزا کا مالک ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ (سورۃ المومن) قیامت کو پکارا جائے گا کہ آج حکومت کس کی ہے؟ دنیا میں تو بڑے بڑے لوگوں نے بادشاہی کے دعوے کئے۔حکومت کے کئے، خدائی دعوے کئے، معبود ہونے کا دعویٰ کیا، آج بتاؤ کون ہے بادشاہ؟ کوئی نہیں بولے گا خود قدرت کی طرف سے یہ آواز آئے گی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ صرف اللہ کے لئے ہے جو سب پر غالب ہے سب اس کے قبضہ قدرت میں ہے صرف وہ بادشاہ ہے۔یہ کیفیت سالک کے دل پر وارد ہوتی ہے اس وقت

اقرار کرتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بڑی لطف ولذت کی بات ہے جسے یہاں اجمالاً لکھا گیا ہے۔ یہ بڑی لذت آفریں بات ہے کہ بندہ جب اللہ کریم کی حمد کر رہا تھا تو تنہا تھا اپنی طرف سے کہہ رہا تھا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ سب خوبیاں سب کمالات اللہ کے لئے ہیں الرحمٰن الرحیم کہتے ہوئے بھی اکیلا تھا۔ واحد متکلم ہے اپنی طرف سے بات کر رہا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہی مالک ہے آخرت کا، یوم دین کا، حشر کا، حساب کتاب کا، اب یہاں اچانک بدلتا ہے ترقی کرتا آیا کہ اللہ کی حمد بیان کی پھر اگلی منزل میں داخل ہوا رحمت کی باد بہاری چلی پھر اس سے اگلی منزل میں داخل ہوا اور پھر اس پر واضح ہوا کہ بادشاہت صرف اللہ کی ہے باقی سب دکھاوے ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

وقت کے ساتھ ہر چیز بدل رہی ہے۔ آرہی ہے جارہی ہے۔ حکومت صرف اس کو زیبا ہے۔ حاکم وہی ہے۔ اب جب یہاں پہنچا تو پھر یہاں خود کو اکیلا نہیں پاتا اس بارگاہ میں انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس بارگاہ میں ملائکہ ہیں اس بارگاہ میں ہر نبیؑ کے صحابہؓ کی افواج ہیں لشکر در لشکر تابعینؒ تبع تابعینؒ پھر اولیاء امت رحمہم اللہ تو وہاں تو ایک ہجوم ہوتا ہے جب اس بارگاہ میں پہنچتا ہے تو اسے ادراک ہوتا ہے کہ میں اکیلا تو نہیں ہوں یہاں تو بے پناہ مقربین بارگاہ ہیں تو پھر کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہاں پھر جمع متکلم ہے، ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ایک عاجز بندہ اکیلا چلتا ہوا پھر خود کو اس اللہ کی پسندیدہ اور اللہ کی مقرب مخلوق میں، اللہ کے بندوں میں، اللہ کے ملائکہ میں، صحابہؓ میں، اولیاء اللہ میں، اللہ کے نیک بندوں میں خود کو شامل پاتا ہے پھر کہتا ہے اِيَّاكَ ہم سب بھی تم تو اکیلے کھڑے تھے اکیلے آرہے تھے لیکن جب وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ یہاں تو اللہ کے بے شمار مقبولان بارگاہ ہیں اب ان سب کے ساتھ شمار ہونے کا ایک اور عجیب مزا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز باجماعت ادا کرو کہ وہ اکیلا پڑھنے سے کہیں 25 گنا فرمایا کہیں 27 دفعہ مختلف روایات ہیں لیکن بہت زیادہ اس میں ثواب ہوتا ہے بے شمار اس میں وجوہات ہوں گی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر بندے کا ذاتی تعلق ہوتا ہے رب العالمین سے ایک تو وہ ہے جو ہم بتاتے ہیں ایک دوسرے کو ایک وہ ہے جو کسی کو بتاتے نہیں بلکہ خود بھی نہیں سمجھتے کہ حقیقتاً میرا تعلق ہے کتنا؟ کتنا میں اللہ پہ اعتبار کرتا ہوں اور کتنا نہیں کرتا تو یہ ہر بندے کا معیار الگ ہے علم وادراک کی وجہ سے بھی الگ ہوتا ہے اور جو کسی ولی اللہ صاحب مشاہدہ یا منازل بالا والے کو نصیب ہے وہ نچلے درجے والے کو نصیب نہیں۔ اور جو اہل باطن کو یا اہل سلوک وتصوف کو نصیب ہے، جو اس کے بغیر ہیں انہیں نصیب نہیں جو علماء کو نصیب ہے وہ عام آدمی کو نصیب نہیں۔ تو ہر ایک کا اپنی حیثیت کے مطابق ایک تعلق ہوتا ہے جب وہ باجماعت کھڑے ہوتے ہیں تو ہر بندے پر اس کے تعلق کی نسبت سے انوارات آرہے ہوتے ہیں۔ دس بندے کھڑے ہیں تو دس قسم کا نور آرہا ہے۔ پچاس ہو گئے تو پچاس کا پانچ سو ہو گئے تو پانچ سو قسم کا نور آرہا ہے تو جب وہ انوارات کی بارش ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے پر بھی منعکس ہوتے ہیں ایک دوسرے پر بھی پڑتے ہیں جس سے سب کو فائدہ ہوتا ہے تو باجماعت صلوٰۃ ادا کرنے کا ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے لوگ ہوں گے اتنے انوارات ہوتے ہیں۔ اور یہی اجتماعی ذکر میں بھی ہوتا ہے۔ اکیلے ذکر کر رہا ہے تو جو اس کی اپنی کیفیت اور جس طرح کی اپنی نسبت ہے اس طرح کے انوارات ہیں۔ دس بندے ذکر کریں تو دس قسم کے ہیں۔ پانچ سو کر رہے ہیں تو پانچ سو وہ سارے ایک دوسرے پر منعکس ہو کر سب کے قلوب کو پالش کرنے کا اور چمکانے کا سبب بنتے ہیں وہاں وہ کہہ اٹھتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور مکلف مخلوق کے پیدا کرنے کا مقصد، علت غائی جسے کہتے ہیں اصل سبب جو ہے وہ عبادت ہی ہے اور سلوک کا آخری دائرہ جو ہے وہ دائرہ عبودیت ہے۔ زمین ہے، سیارے ہیں، ستارے ہیں، جو آسمانی ہے، فضائی

ہے، ہوا کا کُرہ ہے، پھر خلا ہے۔ ان سب کو آسمان نے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ پھر آسمان کے اوپر دوسرا، تیسرا، سات آسمان ہیں۔ آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے عرش عظیم شروع ہو جاتا ہے۔ عرش کے بھی نو حصے ہیں وہ سارے اسی طرح محیط ہیں۔ جہاں عرشوں کی حد ختم ہوتی ہے وہاں عالم خلق ختم ہو جاتا ہے آگے عالم امر ہے۔ عالم امر میں بھی اسی طرح کیفیات کے دوائر ہیں۔ ہر دائرہ اپنے سے نیچے کو محیط ہے۔ عرش کی وسعت کے بارے حدیث شریف میں ملتا ہے کہ دنیا و مافیہا کی حیثیت عرش عظیم کے سامنے ایسے ہے جیسے کسی بڑے صحرا میں کوئی ایک انگوٹھی پڑی ہو تو ہر عرش پہلے سے وسیع تر ہے پھر جہاں عرش ختم ہوتے ہیں۔ عالم امر کے دوائر اور ہر دائرہ محیط ہے ہر طرف سے۔ اسی لئے تو فرماتے ہیں کہ جب تک شیخ کامل ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائے راستہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی بھی دائرے میں ایک سمت کو چل پڑو تو اگر دس زندگیاں بھی ہوں اور چلتے رہو تو اسی میں گھومتے رہو گے اسے عبور کرنا، وہ راستہ دکھانا شیخ کا منصب ہوتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ لے کر آگے جائے تو یہ ایک حد پہ جا کر اولیاء کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ آگے ولایت انبیاءؑ ہے ولایت انبیاء کے دوائر وہ ہیں کہ نبیؑ پیدائشی نبیؑ ہوتا ہے لیکن بعثت سے پہلے اسے ایک خاص قسم کی ولایت نصیب ہوتی ہے۔ اسے ولایت انبیاء کہتے ہیں۔ ولی اس میں داخل تو ہوتا ہے بڑا کوئی خوش نصیب ہو جو وہاں تک پہنچے لیکن اس طرح جس طرح شاہی محل میں کوئی شاہی ملازم داخل ہوتا ہے وہ مقام اس کا اپنا نہیں ہوتا نبیؑ کے طفیل اس میں جا سکتا ہے۔ جیسے شاہی محل میں شاہی خدام ہوتے ہیں۔ رہتے تو وہ بھی محل میں ہیں اور دن بھر وہیں خدمت کرتے ہیں لیکن وہ محل ان کا نہیں ہوتا۔ حجابات الوہیت آتے ہیں مقامات آتے ہیں چلتے جاتے ہیں عجیب و غریب دوائر ہر دائرہ اسی طرح محیط ہے سب سے آخر، انتہا میں جو دائرہ آتا ہے وہ دائرہ عبودیت ہے۔ انتہائے سلوک جو ہے وہ دائرہ عبودیت ہے۔ اس کی وسعت کتنی ہے؟ جو لوگ وہاں پہنچے، انبیاء کا تو مقام ہی وہی ہے

صحابہؓ سے یا تابعین تبع تابعین یا خال، خال ہزاروں سال بعد کوئی بندہ امتیوں میں سے ولی اللہ وہاں پہنچے تو اس میں بھی اس کا سفر جاری رہتا ہے۔ زندگی میں، برزخ میں، جنت میں، ابدالآباد چلتا رہے گا وہ دائرہ ختم نہیں ہوگا۔ یعنی ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں ہے اپنی حیثیت کے مطابق جتنا اللہ چاہے گا اسے آگے پہنچا دے لیکن اس کی انتہا نہیں ہے اور یہ مقصود ہے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تو اللہ نے سورۃ فاتحہ میں رکھ دیا ہے کہ جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ تو حقیقتاً تو وہ دائرہ عبودیت کی بات کر رہا ہے۔ اب یہاں تک کا جو سفر ہے اسے اصطلاح تصوف میں تلوین کہتے ہیں۔ یعنی تلوین ہوتی ہے لون سے لون کہتے ہیں، رنگ کو مختلف رنگ یعنی مختلف کیفیات بدلتی رہیں۔ جب حمد کی تو حمد کے سمندر کے کنارے کھڑا تھا پھر اسے رحمٰن و رحمانیت کے جھونکے ملے تو ایک دوسری کیفیت بدل گئی اسے کہتے ہیں تلوین کیفیات کا تبدیل ہونا۔ پھر ایک اور اور اک ہوا مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ تو ایک اور کیفیت بدل گئی جب پہنچا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ ایک تو وہ ایک عظیم مقبولان بارگاہ کی جمعیت میں شامل ہو گیا دوسرے اس مقام پہ پہنچ گیا جہاں اب تمکین کی درخواست کرتا ہے، تلوین ختم ہوگئی۔ تبدیلیاں ہوتے ہوتے چلتے چلتے کیفیات سے گزر کے مقام عبودیت پہ پہنچا تو وہاں تمکین کی درخواست کرتا ہے اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ یا اللہ اب اس سے مجھے نیچے نہ جانے دے آگے کا سیدھا راستہ مجھے دکھا فرماتے ہیں یہ تمکین ہے یعنی ایک حال پہ جم جانا۔ پھر آگے ترقی کرنا ہے ظاہر ہے بندہ جتنی ترقی کرے گا تو انتہا اس کی عبودیت ہے۔ مقصد حیات عبادت الٰہی ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ (الذریت) وہ اس مقام پر پہنچ گیا تمکین کا مطلب ہوتا ہے ایک جگہ جم جانا اس حال سے تبدیل نہ ہونا یہاں تمکین پر پہنچ گیا یہ ابتدائے سلوک سے تمکین تک پہنچنے میں جو وقت لگتا ہے اس میں ظاہراً بھی حالات بندے کے مختلف ہوتے ہیں بدلتے رہتے ہیں عام آدمی بھی اسے دیکھ کر اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ اس سلوک کے مرض میں مبتلا

ہے یا اس سمت لگا ہوا ہے۔ کبھی لباس کا دھیان نہیں صاف ہے یا پھٹا ہوا ہے یا نہیں ہے۔ کیسا ہے۔ کبھی کھانے پینے کا ہوش نہیں۔ کبھی بات اور پوچھو اور بتاتا ہے دھیان اور طرف ہے چل اور طرف رہا ہے چلتے چلتے جب تمکین پر پہنچتا ہے تو پھر وہ بالکل عام آدمی جیسا ہو جاتا ہے اور صاحب تمکین کا تلاش کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے فرماتے ہیں چوں بمنزل می رسد سوار پیادہ می شود۔ اپنی منزل پہ پہنچتا ہے تو سوار بھی پیدل ہو جاتا ہے پھر وہ سواری سے اتر آتا ہے آپ سوار کو تو تلاش کر سکتے ہیں کہ یہ شخص سواری پہ جا رہا ہے۔ کہیں جا رہا ہے لیکن جب اپنی منزل پہ پہنچ جاتا ہے تو سواری سے اتر آتا ہے پھر وہ بھی پیدل ہو جاتا ہے جیسے دوسرے لوگ پیدل ہیں ویسا ہی وہ بھی ہوتا ہے اسے تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تمکین کو قائم رکھے۔ کیسے رکھے؟ وہ خود تو نہیں رکھ سکتا اور بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ یہ جتنے مقامات سلوک ہیں یہ ان دوائر میں ہیں اور محیط ہیں۔ مثلاً آپ مراقبہ احدیت کرتے ہیں یہاں سے کرتے ہیں تو سیدھے اوپر جاتے ہیں اب کوئی امریکہ میں ہے وہ ہمارے دوسری طرف ہے جہاں بارہ گھنٹے کا فرق ہے ہمارا اور امریکہ کا۔ وہاں وہ ہمارے Opposite بیٹھے ہیں۔ اب اگر وہاں سے مراقبہ احدیت اسی ایک جگہ ہے تو پھر تو بندے کو زمین کو چیر کر اس سے نکل کر ادھر سے احدیت پہ جانا چاہیے لیکن وہاں والا وہاں مراقبہ کرتا ہے تو وہ وہاں سے سیدھا جاتا ہے اس کا مطلب ہے جس طرح آسمان محیط ہے عرش محیط ہے اسی طرح یہ مقامات بھی محیط ہیں۔ ہر طرف جہاں سے جاؤ گے آگے آگے دنیا کے کسی گوشے سے کسی سمت سے کہیں سے جاؤ گے آپ کو سیدھا ہی جانا ہے۔ اوپر جائیں گے تو سامنے احدیت ہے یعنی کسی ایک جگہ یہ مکان نہیں ہے محیط ہے عالم کو، جدھر سے جاؤ جہاں سے جاؤ۔ یہاں احدیت یہاں کی معیت یورپ میں جا کر کی تو وہاں کوئی ٹیڑھا میڑھا ہو کے نہیں آنا پڑے گا کہ یہاں آؤ پھر یہاں سے جاؤ نہیں۔ وہاں سے آپ اوپر جائیں۔ آگے معیت ہے اس کا مطلب ہے محیط ہے عالم کو ہر طرف۔ اسی طرح سارے اسی طرح سارے دوائر سارے مقامات محیط ہیں تو جب دائرہ عبودیت میں داخل ہوتا ہے تو اس سے آگے تو بندے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ بندے کا آخری مقام عبودیت ہے پھر وہاں تمکین کی یعنی وہاں جم کر رہنے کی درخواست کرتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اللہ! مجھے سیدھا راستہ دکھا یعنی اب یہاں سے مجھے لغزشوں سے دائیں بائیں گرنے سے پیچھے ہٹنے سے میری حفاظت فرما اور وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ یہاں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ چیزیں متقدمین کے اتباع اور ان کی برکات سے حاصل ہوتی ہیں ورنہ ممکن نہیں جو یہ انعام پا چکے ہیں ان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ فرماتے ہیں اسی تمکین کا طالب ہوا اور اس قول سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (آمین) پناہ چاہیے ان لوگوں سے جو رستہ گم کر چکے ہیں یا جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ چونکہ انسان دم واپسیں تک مکلف ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ (الحجر) آخری سانس آنے تک اور آخرت سامنے آنے تک بندہ مکلف ہے تو ابتلا میں تو ہے۔ سستی تو نہیں کر سکتا۔ چوکیداری کرنی پڑے گی پہرہ دینا پڑے گا۔ جب تک زندہ ہے، سانس چل رہی ہے یا ذاکر ہے یا غافل ہے۔ زبان چل رہی ہے یا نیکی کر رہا ہے یا غلط بیانی کر رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں کوئی نیک عمل کر رہا ہے یا خطا کر رہا ہے تو مکلف ہے تو وہ وہاں تمکین کی درخواست کرتا ہے تمکین کی یعنی جم کر رہنے کی کہ اللہ اب مجھے یہاں جم کر رہنے کی توفیق عطا فرما اور لوگ وہاں آ کر بھی بھٹک گئے اسلام قبول کر کے بھی مرتد ہو گئے۔ منازل کرنے کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ پھر درخواست کرتا ہے مجھے ایسے لوگوں سے بچا۔ اس حال سے مجھے بچا اور ان لوگوں کے ساتھ رکھ جن پر تو نے انعام کیا۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ اس طرف ہے کہ صراط

مستقیم بدون اس کے میسر نہیں ہوتا کہ اہل صراط مستقیم کا اتباع کیا جائے یعنی یہ سورۂ فاتحہ میں اپنی جگہ سے چل کے مقام حمد پہ آیا پھر اسے مقام رحمت نصیب ہوا پھر اس نے عظمت الٰہی کو پایا کہ حاکم وہی ہے پھر وہ مقام عبودیت میں داخل ہوا اب وہ چاہتا ہے کہ اللہ مجھے یہاں قائم رکھ اب یہاں تک آنے اور قائم رہنے کا سبب ہی یہ ہے کہ جو اللہ کے نیک بندے اس کے حامل ہیں ان کا اتباع کرے ان سے استفادہ کرے ان کے نقش قدم پر چلے اور اسی بات کی درخواست کر رہا ہے یہ مقام عبودیت میں تو پہنچ گیا تو پھر کون سا سیدھا راستہ چاہتا ہے راستہ تو سیدھا تھا جو وہاں تک آ گیا وہاں صرف آنا ہی مقصد حیات نہیں۔ آنا مقصد کا ایک حصہ ہے لیکن وہاں عمر بسر کرنا اور اسے سلامت ساتھ لے کر میدانِ حشر میں جانا اصل مقصد ہے۔ اب چونکہ بندہ دار عمل میں ہے عمل تو باقی ہے تو چاہتا ہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کر گزروں جس سے وہ سب ضائع ہو جائے تو پھر بڑی علیحدہ، واضح کر کے بات کرتا ہے کہ ان لوگوں جیسا عمل مجھ سے نہ کرانا مجھے بچانا ان سے جن پر تیرا غضب ہوا یا جو راستہ بھول گئے گمراہ ہو گئے۔ اے اللہ! ان لوگوں جیسا عمل کرنے کی توفیق عطا کر جن پر تیرا انعام ہوا تا کہ یہ تمکین مجھے میسر رہے تو فرماتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ کے محبوب و مقبول بندوں کا اتباع کیا جائے ان سے استفادہ کیا جائے اور فرماتے ہیں یہ صراط مستقیم کا جو مطلب ہے اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم سے مراد تشریعی ہے نہ کہ تکوینی۔ تکوینی امور تو وہ ہوتے ہیں جو من جانب اللہ صادر ہوتے رہتے ہیں جو کہ مخلوق کی فطرت میں ہوتے ہیں اور تشریعی امور وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم سمجھ کے اپنی پسند سے اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے دو موقعے ہیں ایک حرام مال لینے کا ہے کوئی رشوت دے رہا ہے ایک ہے کہ ہم یہ نہ لیں اب تشریعی راستہ سیدھا یہ ہے کہ ہم وہ نہ لیں چھوڑ دیں یہ تشریعی ہے کہ حرام کو چھوڑ دیا حلال کی طرف گئے ایک تکوینی ہے کہ نیند غالب آئی سو گئے۔ بھوک لگی کچھ نہ کچھ کھانا ہے یہ تکوینی امور ہیں جو ہمارے بس میں نہیں ہیں جو اللہ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ تکوینی نہیں ہے کہ پھر وہاں جا کر وہ عبادات بھی چھوڑ دے حلال حرام بھی چھوڑ دے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں جی ہمارے حضرت پر سنتیں معاف ہو گئیں ہمارے حضرت پر نمازیں بھی معاف ہو گئی ہیں۔ اور ایک میرے بھی دوست ہیں وہ بھی اپنے آپ کو بڑا ولی اللہ سمجھتے ہیں وہ نماز روزہ نہیں کرتے وہ کہتے ہیں مجھے نماز روزہ معاف کر دیا گیا ہے میں نے جس مقام پر پہنچنا تھا پہنچ گیا ہوں اب وہاں نماز روزے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو میں ہنسا کرتا ہوں یہ پتہ چل جائے گا جب آنکھ بند ہو گی تو آنکھ کھل جائے گی تمہیں سمجھ آ جائے گی کہ تم کہاں پہنچ گئے ہو۔ جس بندے کو عبادت کی ضرورت نہیں رہتی وہ جہنم میں پہنچا ہوا ہوتا ہے چونکہ جنت میں بھی لوگ عبادت کریں گے۔ حالانکہ جنت میں عبادت کے مکلف نہیں ہوں گے روزہ فرض نہیں ہو گا لیکن اہل جنت کریں گے اس لئے کہ اس میں اتنی لذت ہو گی کہ باقی سب نعمتوں سے زیادہ لذت اس میں ہو گی تو حصول لذت کے لئے کریں گے۔ میں نے کہا جہاں نماز روزہ معاف ہو جاتا ہے وہ جگہ صرف جہنم ہے موج کرو وہ کہتا ہے تم سختی کرتے ہو تم سخت مزاج آدمی ہو میں نے کہا میں اللہ کی بات بتاتا ہوں تو سخت مزاج کہلاتا ہوں۔ پتہ نہیں اللہ جانے کیا ہو گا؟ لیکن بات سچی کر رہا ہوں تو وہاں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ بندہ ایسے لوگوں کے دامن سے وابستہ رہے جو مبارک دامن اسے یہاں تک لے کر آیا اب ظاہر ہے یہ ساری نعمت بندہ از خود تو نہیں جانتا یہ تو اللہ کی عطا ہے اس نے عطا کی بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے پہنچی۔ علماء ظواہر نے اللہ ان کے درجات بلند رکھے اس کے الفاظ ہم تک پوری دیانت پوری امانت سے منتقل کر دیئے لیکن یہ جو باتیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہیں اور جو باتیں میں کر رہا ہوں یہ کیفیات سے متعلق ہیں اور کیفیات صحابہ کرامؓ سے تابعین، تابعین سے تبع تابعین اور اس سے آگے جن لوگوں نے سنبھالی انہیں صوفی

کہتے ہیں یہ صُوفیاء کا گروہ ہے۔ یہ طبقہ صوفیاء کا ہے جس نے ان الفاظ کے ساتھ ان کی کیفیات بھی ہم تک پہنچائیں آپ کسی صوفی کے دامن سے وابستہ نہ ہوں ساری عمر آپ سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں آپ پر یہ معنی بھی منکشف نہیں ہوتے کہ اس کا معنی کیا ہے یوں تو ہر بندہ ہر مسلمان پڑھتا ہے بظاہر تو ہر مسلمان کم از کم نماز کی ہر رکعت میں پڑھتا ہے جتنے نمازی ہیں وہ پڑھتے ہیں تو ان پر اس کی کیا کیفیت وارد ہوتی ہے کچھ بھی نہیں لیکن جب یہ اللہ اللہ نصیب ہو کسی صاحب سِرّ سے ملاقات ہو کوئی صاحب حال رہبر بنے۔ کیفیات نصیب ہوں تو یہ ساری باتیں جو میں نے عرض کیں یہ اس مفہوم کو ادا نہیں کرتیں جو اس وقت محسوس ہوتی ہے کیفیت صرف محسوس کی جاسکتی ہے ہاں نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ ہونا چاہیے یہ ہونا چاہیے تو فرمایا وہاں پھر تمکین کی درخواست کرتا ہے۔ اے اللہ! مجھے ادھر اُدھر ہونے سے بچا۔ راستے پر رکھ۔ میں دارِ عمل میں ہوں، جتنا عرصہ ہوں اب مجھے عمل کرنا ہے اور مجھے ان لوگوں کا اتباع نصیب فرما جن پر تو نے انعام کیا اور ان لوگوں کی پیروی یا ان کے پیچھے جانے سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا یا جو گمراہ ہو گئے ان سے بچا تو یہ تھے اس میں سلوک و تصوف کے مسائل جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ شروع ہوتی ہے۔

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

فرماتے ہیں یہاں جو آیا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں سلوک کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ صرف مال دنیا یا علم ہی نہیں بلکہ جو انوارِ معرفت ہم نے انہیں دیئے ہیں ان کا طالبین پر اضافہ کرتے ہیں جو بھی کوئی طالب ان کے پاس آئے اسے ان میں سے عطا کرتے ہیں۔ ان کو توجہ دیتے ہیں ان پر القاء کرتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اور اس میں عہدہ بھی ہے۔ عہدہ دیا ہے تو انصاف کرتے ہیں، حکومت دی ہے تو انصاف کرتے ہیں، اس میں دولت دنیا بھی ہے، مال دیا ہے۔ تو انفاق ہوتا ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ضرورت مندوں کو بھی دینا جائز جگہ پر خرچ کرنا ناجائز جگہ پر خرچ کرنا اسراف ہوتا ہے۔ تو يُنْفِقُوْنَ سے مراد انفاق یعنی اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا ہے اس سے مراد سالکین کے لئے یہ ہے کہ جو طالب ان کے پاس آتا ہے اسے توجہ دے کر جتنی اس میں استعداد ہے اسے انوار معرفت عطا کرتے ہیں یہ نہیں کہ خود ہی سنبھال کے رکھیں اور مر جائیں دوسروں کو نہ دیں۔

اگلی آیۂ کریمہ ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف سے نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں۔ ساری کتابوں کو سارے انبیاءؑ کو مانتے ہیں۔ ایمان سب کے ساتھ ہے لیکن پیروی اور اتباع محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے یہاں فرماتے ہیں یہاں سے یہ سمجھ آتی ہے کہ تمام بزرگان دین کا احترام کرے لیکن اتباع اپنے شیخ کا کرے جس طرح تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم ہے تمام کتابوں کو سچا سمجھتے ہیں لیکن عمل قرآن پر ہوگا اتباع محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوگا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاءؑ کا احترام کرے، تمام اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا احترام کرے، تمام نیک لوگوں کا احترام کرے لیکن اتباع اپنے شیخ کا ہوگا تب فائدہ ہوگا۔ پچھلے دنوں لاہور سے کچھ لوگ میرے پاس آئے ذکر سکھایا سمجھایا پڑھایا

دو تین دفعہ آتے جاتے رہے پھر ایک دن ان کی ای میل آئی کہ وہ جی کسی نے مجھے یہ وظیفہ بتایا ہے میں نے یہ بھی پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ تمہیں ضرورت نہیں ہے جو کام سکھایا ہے وہ کرو۔ پھر ایک ای میل آئی مجھے کسی نے بتایا ہے ایک اور میں نے وہ شروع کر دیا ہے۔ میں نے اسے لکھا کہ کم از کم میں تمہاری تربیت نہیں کرسکتا پھر اس نے بڑی ای میلز بھیجیں نہیں جی میں معافی مانگتا ہوں میں نے کہا اس میں معافی شافی ناراضگی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارا جہاں اطمینان ہو وہاں کسی ایک کا دامن پکڑ لو اور مزے کی بات یہ ہے کہ بندے کا نام بھی نہیں بتاتے جی وہ کسی نے بتایا وہ کوئی اتنا غیر معروف آدمی ہے جس کا نام بھی تم نہیں جانتے تو کسی کے بتانے کا کیا فائدہ کسی چھوٹے موٹے رسالے میں کسی کتاب میں پڑھ لیں گے پھر شروع ہو جائیں گے یہ کر لیں تو فرمایا یہ چیزیں اس راہ میں نقصان دہ ہوتی ہیں۔ میں کوئی پیشہ ور تعویذ لکھنے والا نہیں ہوں اور نہ کسی تعویذ پر اجرت لیتا ہوں میرے پاس لوگ آتے ہیں الٹا چائے شائے پیتے ہیں اور تعویذ بھی لے جاتے ہیں اور اس کی کوئی اجرت نہیں ہوتی مجھ پر یہ زائد بوجھ ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے لیکن میں اسلئے دیتا ہوں کہ انہیں اگر نہ دیئے تو یہ کسی بے دین کے پاس جائیں گے اور وہاں مال بھی دیں گے اور عقیدہ بھی خراب ہوگا یہ اللہ کی مرضی وہ شفا عطا کر دیتا ہے۔ کینسر کے مریض ٹھیک ہو گئے اور عجیب وغریب مریض جو لاعلاج تھے وہ ٹھیک ہو گئے یہ اللہ کی مرضی وہ جانے اس کے بندے جانیں لیکن ایک تجربہ میں نے کیا ہے جب یہاں سے تعویذ لے کر جاتے ہیں تو کوئی بتا دے اس کے ساتھ یہ بھی وظیفہ پڑھو۔ وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور تعویذ کا بھی فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں سے لے کے جائیں گے کسی اور سے بھی لے کے گلے میں باندھ لیں گے یعنی اس تعویذ کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ قانون ہے کہ آپ ہر اچھے آدمی کی عزت کریں خصوصاً علماء ربانیین ہیں۔ سب کا احترام کریں لیکن اتباع اپنے شیخ کا ہوگا اور اس آیت کی پیروی میں يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ جو آپ سے پہلے کتابیں آئیں انبیاءؑ آئے ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو کتاب آپ کو عطا ہوئی لیکن اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (بقرہ 9) ترجمہ ہے چال بازی یا دھوکا کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں یہاں فرماتے ہیں سلوک کا مسئلہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ عداوت و مخاصمت کرنا ایسے ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کیا۔ اہل اللہ کی دشمنی یا ان کی توہین کرنا ایسے ہے جیسے کوئی اللہ کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے چونکہ یہاں اللہ نے فرمایا میرے نیک بندوں سے جو دھوکہ کرتے ہیں تو پہلے اپنا نام نامی فرمایا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وہ میرے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں جو میرے نیک بندوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ ذات باری نے اپنی ذات کی بات پہلے کی وہ دھوکہ میرے بندوں کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ میرے ساتھ کرتے ہیں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کی دشمنی یا انہیں برا بھلا کہنا ایسا ہی ہے جیسے ذات باری سے مقابلہ جوڑتا ہو۔

اور یہ آیہ کریمہ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ "ان کے دلوں میں بیماری ہے فرماتے ہیں اس میں اثبات ہے امراض قلب کا اور وہ معاصی ہیں۔ حضرات صوفیاء کی اطلاقات میں شائع ہے یعنی اس میں یہ ظاہر ہے کہ کچھ ایسی بیماریاں بھی ہیں کہ بندہ بظاہر تو صحت مند ہوتا ہے لیکن قلب کو جو لطیفہ ربانی ہے اس قلب کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں فرمایا اس کی نشاندہی صوفیاء بھی کرتے ہیں۔ یہ انہی کا علم ہے اور وہی اس کا علاج کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ فرماتے ہیں اس میں صوفیاء کے اس قول کی دلیل ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کو ذاتی طور پر محیط ہے بدون اتصال کے یعنی اللہ اپنی ساری مخلوق کے ہر ذرے کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ اس ذرے میں حلول کر گیا یا اس سے متصل ہو جائے ایسا نہیں ہے لیکن ہر ذرے کے ساتھ وہ ذاتی طور پر موجود ہے اور علم ظاہر والے کہتے ہیں اللہ اپنے علم سے موجود ہے ذاتی طور پر نہیں تو

فرماتے ہیں اس کی دلیل ہے وَ اللّٰہُ مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ اللہ نے کافروں کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ ساری مخلوق کے ساتھ ذاتی طور پر موجود ہے اتصال کے بغیر یعنی اس میں حلول نہیں کرتا لیکن اس میں موجود ہے قولہٗ تعالیٰ کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ؕ ﴿۲۰﴾ (البقرہ) ترجمہ ہے کہ بجلی کی چمک ہوتی ہے تو اس میں دو قدم چل لیتے ہیں اور جب تاریکی چھا جاتی ہے تو پھر کھڑے ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ اس شخص کا حال ہے جو بسط میں اطاعت کرتا ہے۔ اطاعت بجالاتا ہے قبض میں چھوڑ دیتا ہے۔ قبض و بسط دو حال ہوتے ہیں ظاہری بھی ہوتے ہیں، باطنی بھی ہوتے ہیں۔ ظاہری یہ ہوتا ہے کہ مسائل کم ہو گئے مال و دولت کی فراوانی ہو گئی یا آسانیاں ہو گئیں۔ اسے بسط کہتے ہیں۔ کبھی کاروبار میں نقصان ہو گیا پیسے نہ رہے بیماری آ گئی کوئی تکلیف آ گئی تو اسے قبض کہتے ہیں۔ یہ ظاہری بھی ہوتا ہے اور باطناً بھی ہوتا ہے کبھی تو ایسے پتہ چلتا ہے کہ انوارات و تجلیات کا سمندر چل رہا ہے کبھی قبض ہو جاتا ہے تو ایسے پتہ چلتا ہے کہ کچھ بھی نہیں پتہ نہیں لطیفہ قلب بھی ہے کہ نہیں فرماتے ہیں اس میں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے کہ جن پر آسانیاں ہوں تو بڑے سجدے کرتے ہیں ذرا سی تکلیف آ جائے تو سب سے پہلے سجدہ چھوڑ دیتے ہیں۔ صوفیوں میں بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر اگر نگاہ کرم ہو تو بڑے خوش اور بڑے مجاہدے کرتے ہیں تو تھوڑی سی تنگی آ جائے تو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ قبض میں زیادہ محنت کرنی چاہیے جس طرح ظاہری تنگدستی آئے تو زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قلبی کیفیات میں اگر قبض آ جائے تو پھر زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ سبحان اللہ!

اگلی آیہ کریمہ سے انہوں نے مسئلے کا جو استخراج کیا ہے وہ آیت مبارکہ ہے کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا ؕ ﴿۲۵﴾ (البقرہ) جب کبھی دیئے جائیں گے ان بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا۔ یعنی رزق جب ملے گا پھل کھائیں گے جنت کے کہیں گے یار یہ تو آم ہے، ہم دنیا میں بھی کھاتے تھے انگور ہے یہ تو ہم پہلے بھی کھاتے تھے۔ اور وہ بظاہر ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اب اس سے انہوں نے سلوک کا جو استخراج کیا ہے وہ یہ ہے کہ رزق دیئے جانے سے صوفیوں کے نزدیک توفیق اطاعت ہے چونکہ ثمرات تو اسی پر مرتب ہوں گے۔ توفیق اطاعت جو ملتی ہے۔ نیکی کی توفیق جو ملتی ہے اسے اصحاب فطرت و عقول سلیم ظاہری رزق سے زیادہ لذیذ سمجھتے ہیں جن کو سمجھ آتی ہے انہیں اس میں ظاہری رزق سے زیادہ لذت نصیب ہوتی ہے اور جنت میں ان کے عوض جو جزا ملے گی وہ ان اطاعت و معارف کے ساتھ لذت میں مشابہ ہو گی جس طرح کی کسی کی طاعت ہو گی جتنی کسی کی معرفت کی حد ہو گی ہر ایک کا اپنا اپنا ایک دائرہ ہے، اتنی ہی اس کو جنت کی نعمتیں ملیں گی تو فرمایا وہ بھی جتنی اس کو دنیا میں اس معرفت کے وقت جو لذت ملتی تھی ویسے ہی لذت ان نعمتوں میں ملے گی وہ کہے گا یہ تو اللہ نے پہلے بھی مجھ پہ انعام کیا تھا لیکن اس کی لذت زیادہ ہو گی لیکن مشابہت اس سے ہو گی اور اس پر دلیل دیتے ہیں کہ اس کی ضد بھی اس کے مشابہ ہے جیسے کفار سے کہا جائے گا **ذوقوا ما کنتم تعملون** جہنم میں کافروں سے کہا جائے گا کہ جو عمل تم کرتے تھے اب اس کی لذت چکھو گویا اس کی ضد بھی اس کے مشابہ ہے کہ جو برائی یا جو گناہ کرتے ہیں یا جرم کرتے ہیں تو انہیں اس کے مطابق جیسے جرم کی لذت پاتے تھے وہاں اسی کی لذتیں انہیں ملیں گی اور اسی کی سزا انہیں ملے گی تو پتہ چلے گا کہ ظلم تو تم نے کر لیا اب بھگتو۔ تو فرمایا عمل کی جزا یا سزا مشابہ عمل کے ہو گی تو فرمایا طاعات کا جو انعام ہو گا وہ ان کے مشابہ ہو گا۔

میرا خیال ہے تین رکوع ہو گئے اب انشاء اللہ، اللہ نے توفیق دی تو پھر دیکھیں گے۔

سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

فنافی الرسول کا عملی نمونہ

قسط دوم

فیض الرحمن اسلام آباد

نشست کا انداز:

عمومی نشست: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد میں تشریف رکھتے تھے تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: گوٹ مار کر بیٹھنا یہ ہوتا ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھے۔ اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کرے۔ بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا، لنگی، عمامہ وغیرہ اس طرح لپیٹا جاتا ہے کہ کمر اور پنڈلیوں پر لپٹ جائے۔ یہ ہیئت تواضع اور مسکنت کی نشست ہے۔ اسلئے حضور اقدس ﷺ بھی اکثر ایسے ہی تشریف رکھتے تھے اور حضرات صحابہ بھی لیکن یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی تشریف فرما ہوتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

کھانا کھاتے وقت:

۱۔ کھانا کھاتے وقت حضور اقدس ﷺ کی نشست عموماً یہ ہوتی تھی کہ دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کو ملا کر بیٹھتے تھے جیسے نمازی بیٹھتا ہے۔ لیکن ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنہ پر اور ایک قدم دوسرے قدم پر ہوتا تھا۔ اور آپ فرماتے تھے کہ میں ایک بندہ ہوں اسی طرح کھاتا ہوں، جس طرح غلام کھایا کرتے ہیں۔ اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔ (آداب النبی ﷺ)

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ بایاں پاؤں بچھا لیا جائے اور داہنا گھٹنہ کھڑا کر لیا جائے۔ (آداب النبی ﷺ از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں گھٹنے نماز کی نشست کی طرح بچھا لئے جائیں۔ (آداب النبی ﷺ)

خورد و نوش:

۱۔ حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی۔ اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چوتھی یا پانچویں انگلی بلا ضرورت شامل نہ کرے۔ البتہ اگر ضرورت ہو یعنی کوئی چیز ایسی ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو۔ تو مضائقہ نہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچوں انگلیوں سے کھانا حرص کی علامت ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے پھر انگشت شہادت اور اس کے بعد انگوٹھا انہی تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا جاتا۔ (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گزار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور اکثر آپ کی غذا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (گو کبھی کبھی گندم کی روٹی بھی مل جاتی تھی) (شمائل ترمذی)

۳۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔ (شمائل ترمذی)

۴۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا نہ چھوٹی تشتریوں میں نوش فرمایا۔ نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ حضرت یونس ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ ؒ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر۔ (شمائل ترمذی)

۵۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے۔ (شمائل ترمذی)

۶۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اسلئے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

۷۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربہ پیش کیا۔ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانب سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرما رہے تھے۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہوگیا۔ (شمائل ترمذی)

۸۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا (شمائل ترمذی)

فائدہ: بعض لوگوں نے میٹھے کا مطلب حلوہ لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے حلوہ بنوا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اور آپ نے اس کو پسند فرمایا یہ حلوہ آٹے شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا۔ (شمائل ترمذی)

۹۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔ (شمائل ترمذی)

۱۰۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا اور اسی میں آپ کو زہر دیا گیا گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھا لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اس کو تھوک دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ہے۔ (شمائل ترمذی)

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔ (شمائل ترمذی)

۱۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: ثرید شوربے میں بھگوئے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جن میں علاوہ لذت وقوت کے سہولت وسرعت ہضم، جلد تیار ہو جانا وغیرہ منافع ہیں۔ عرب میں اس کا دستور تھا اور سب کھانوں میں افضل شمار ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

۱۳۔ حضرت یوسفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ آپ نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اور نوش فرمایا۔ (شمائل ترمذی)

۱۴۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔ (شمائل ترمذی)

۱۵۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ (شمائل ترمذی)

۱۶۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آجائے بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ کہہ لے۔ (شمائل ترمذی)

۱۷۔ عمر بن ابی سلمہؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا آپ نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ۔ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔ (شمائل ترمذی)

۱۸۔ عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۱۹۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تربوز کو تازہ

کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۲۰۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو خربوزہ اور کھجور اکٹھے کھاتے ہوئے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

۲۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا۔ سقیا جو مدینہ طیبہ سے کئی میل پر ہے وہاں سے میٹھا پانی حضور اقدس ﷺ کے لئے لایا جاتا تھا۔

۲۲۔ عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں۔ البتہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔ آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

۲۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔ (شمائل ترمذی)

۲۴۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** ترجمہ: تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔ (شمائل ترمذی)

۲۵۔ حضور اقدس ﷺ زیادہ گرم کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ زیادہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی اسلئے چاہیے کہ کھانے کو کچھ ٹھنڈا کر لیا جائے۔ (آداب النبی ﷺ)

۲۶۔ آپ ﷺ کا اکثر کھانا کھجور اور پانی ہوتا تھا۔ آداب النبی ﷺ از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

۲۷۔ آپ ﷺ ککڑی کو کبھی کھجور کے ساتھ اور کبھی نمک کیساتھ تناول فرماتے تھے۔ (آداب النبی ﷺ)

۲۸۔ آپ ﷺ کو تمام پھلوں میں خربوزہ اور انگور زیادہ پسند تھا آپ خربوزہ کو کبھی روٹی کے ساتھ اور کبھی شکر کے ساتھ تناول فرماتے تھے اور بسا اوقات آپ خربوزہ کو کھجور کے ساتھ بھی تناول فرماتے تھے۔ (آداب النبی ﷺ)

۲۹۔ آپ ﷺ کھجور کو دودھ کے ساتھ جمع فرماتے اور ان کا نام اطیبین رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کا سب سے مرغوب کھانا گوشت تھا۔ فرماتے تھے کہ گوشت قوت سامعہ کو بڑھاتا ہے اور گوشت دنیا و آخرت میں سید الطعام ہے اور اگر میں اپنے رب سے دعا کرتا کہ مجھے روزانہ گوشت عطا فرمائیں تو ضرور عطا فرماتے۔ (آداب النبی ﷺ)

۳۰۔ آنحضرت ﷺ کو کدو سے بہت رغبت تھی اور فرماتے تھے کہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ (آداب النبی ﷺ)

فائدہ: حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے تو نہایت ضعیف تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کدو کا درخت اگایا۔ اس کے کھانے سے ان کو صحت و قوت حاصل ہوگئی۔

۳۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے "اے عائشہ جب تم ہنڈیا پکاؤ تو اس میں کدو زیادہ ڈالو کیونکہ وہ غمگین دل کو مضبوط کر دیتا ہے" (آداب النبی ﷺ)

۳۲۔ آنحضرت ﷺ کو بکری کے گوشت میں دست اور ہنڈیا کی ترکاری میں کدو سالن میں سرکہ اور کھجور میں عجوہ پسند تھا (آداب النبی ﷺ)

۳۳۔ آپ ﷺ نے کھجور کی قسم عجوہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ جنت کا پھل ہے اور زہر و سحر کے اثر سے شفا ہے۔ (آداب النبی ﷺ)

۳۴۔ ترکاریوں میں آپ ﷺ کو ہندبا (کاسنی) بازروج اور

خرفہ پسند تھا۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنے ہوئے جو کے آٹے کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیوں سے پلیٹ کو صاف کرتے اور چاٹ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کھانے کے آخری حصہ میں زیادہ برکت ہوتی ہے (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ پانی پینے میں یہ تھی کہ تین سانس میں پانی پیتے تھے اور ہر سانس کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ کہتے تھے۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہسن، پیاز، کراث (گندنا) تناول نہ فرماتے تھے۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۹۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روٹی اور گوشت تناول فرماتے تو خصوصیت سے ہاتھوں کو اچھی طرح دھوتے، پھر جو پانی کا اثر ہاتھوں پر رہتا تو اس کو چہرہ انور پر مل لیتے تھے۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۴۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ بلکہ (عادت شریفہ یہ تھی کہ) اگر پسند آیا کھالیا ناپسند ہوا ترک کر دیا۔ اور جس کھانے سے خود اپنے کو طبعی نفرت بھی ہوتی تو دوسروں کے لئے اس کو مبغوض و مکروہ نہیں ٹھہرایا۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اخلاق و اندازِ گفتگو:

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (بعض مرتبہ کلام کو (حسب ضرورت) تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔ (شمائل ترمذی)

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا (ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق کے لئے تھا۔ مثلاً ان سے ہنسنا، بولنا، بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات اور راحت و آرام کے لئے مخصوص تھا۔ پھر اس اپنے والے حصے کو بھی دو حصوں میں اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مسائل کے بارے رہنمائی حاصل کرتے اور یہ معلومات عام لوگوں تک پہنچاتے۔ (شمائل ترمذی)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ضروری اور مفید باتوں ہی کا تذکرہ ہوتا تھا۔ لایعنی اور فضول باتیں آپ کی محفل میں نہ ہوتی تھیں۔ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے۔ ہر کام کے لئے آپ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو۔ یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ کی نشست و برخواست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں۔ آپ کی مجلس مجلسِ علم و حیاء اور صبر و امانت ہوتی تھی۔ نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا اور نہ کسی کی عزت و آبرو اتاری جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کئے جاتے تھے۔ ایک دوسرے پر فضیلت کا معیار صرف تقویٰ تھا۔ (شمائل ترمذی)

۵۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے (جس کی وجہ سے اس کو اپنی خصوصیت کا خیال ہو جاتا تھا) چنانچہ خود میری طرف بھی آپ کی

توجہات عالیہ اور کلام کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں۔ اسی وجہ سے آپ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال سے ایک دن دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو آپ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا۔ بعد میں مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی۔ اور خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔ (شمائل ترمذی)

فقر و فاقہ:

۱۔ نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہوتے؟ حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی پیٹ بھر نہیں ہوتی تھیں۔ (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اقدس ﷺ کے اہل وعیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔ (شمائل ترمذی)

۳۔ حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے شدت بھوک کے متعلق عرض کی اور اپنے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے دکھائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدت سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھائے کہ آپ کو شدت بھوک ہم سے زیادہ تھی۔

۴۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دستر خوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں۔ مگر حالت ضعف میں۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے اپنے اور گھر کے لوگوں کے لئے اس حالت کو پسند فرمایا حالانکہ خزانوں کی کنجیاں آپ کو پیش کی گئیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میرے لئے مکے کی زمین کو سونے کی بنا دے۔ میں نے عرض کیا یا اللہ یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تاکہ تیرا شکر کروں۔ اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فقر و فاقہ خود اختیاری تھا۔ نیز سخاوت کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ظاہر ہے۔ (شمائل ترمذی)

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

۲۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔ (شمائل ترمذی)

۳۔ ایک دفعہ فدک کے حاکم نے چار اونٹنیاں سامان سے لدی ہوئی بھیجیں۔ آپ شام تک تقسیم فرماتے رہے۔ پھر بھی کچھ مال بچ گیا۔ عشاء کے بعد معلوم ہوا۔ کہ سامان ابھی بھی بچا ہوا ہے۔ کیونکہ مستحقین ناکافی تھے۔ لہٰذا وہ رات آپ ﷺ گھر پر تشریف نہیں لے گئے وہ رات مسجد میں گزاری دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت کیا کہ مال تقسیم ہوا کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ تقسیم ہو گیا۔ تب مکان پر تشریف لے گئے۔ (شمائل ترمذی)

۴۔ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا آپ ﷺ نے اتنی بکریاں دیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سارا میدان بھر دیا۔ وہ اپنی قوم میں گیا۔ اور اپنے قبیلے والوں سے کہا لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطا فرماتے ہیں کہ ان کو ختم ہو جانے اور محتاج ہو جانے کا کوئی خوف نہیں۔ (آداب النبی ﷺ)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

(باقی تیسری اور آخری قسط میں۔ انشاء اللہ)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اکرم التفاسیر

09-04-10

ایمان اور کفر کیا ہے؟

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ
وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ
بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ
يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ
اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ (سورۃ الانعام آیات 46-49)

ترجمہ: سادہ سا بامحاورہ ترجمہ ان آیات مبارکہ کا یہ ہے کہ آپ فرما دیجیے ہم دیکھ رہے ہیں کہ اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت ختم کر دے اور تمہارے دلوں پہ مہر کر دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے کہ یہ نعمتیں تمہیں عطا کر سکتا ہے اور دیکھیے کہ ہم کس طرح سے دلائل بیان فرماتے ہیں یہ اس کے بعد بھی منہ پھیر کے چل دیتے ہیں انہیں فرما دیجیے کہ دیکھو اگر اللہ کا عذاب تمہیں اچانک پکڑ لے یا خبردار کر کے پکڑ لے بتا کر آجائے تو کون ہلاک ہوگا سوائے ان لوگوں کی قوم کے جو ظلم کرتی ہے۔ اور ہم انبیاء و رسلؑ کو بھیجتے ہیں کہ اچھی بات کے اچھے نتائج کی بشارت دیں اور برائی کے برے انجام سے بروقت مطلع فرمائیں۔ سو جو ایمان لایا اور جس نے اپنی اصلاح کر لی ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا نہ انہیں کوئی دکھ ہوگا جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں انہیں ہمیشہ عذاب ہوتا ہے اور اس کے عذاب کا سبب ان کی اپنی بداعمالیاں ہوتی ہیں۔

تفسیر: فرمایا اے میرے حبیب ﷺ! آپ انہیں یاد دلائیے کہ اپنے اعضاء و جوارح کو دیکھو۔ گوشت پوست کا بنا ہوا ایک انسان ہے۔ اسی سے اس کے ہاتھ پاؤں، ہڈیاں، کھال، پٹھے، رگیں بنیں۔ وہی ایک چیز گوشت پوست ہی تو ہے۔ اسی چیز کے سیلوں سے جب کان بنتا ہے تو کتنی عجیب و غریب کاریگری ہے اس میں کہ آواز کان سے ٹکراتی ہے اس کے اندر ایک میکنزم ہے آواز ایک سرسراہٹ پیدا کرتی ہے وہ حرکت دماغ میں جاتی ہے پھر دماغ کا کمپیوٹر اس پہ لگ جاتا ہے آواز کی لہروں کو جو کان کے پردے سے ٹکراتی ہیں انہیں وہ الفاظ میں ڈھالتا ہے اور سننے والے کو بنے بنائے الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ یہ سارا کام اتنی جلدی سے ہوتا ہے کہ جیسے ہی آواز کسی کے کان سے ٹکراتی ہے تو اس کی سمجھ میں الفاظ آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ لفظ اس کے کان میں نہیں پڑے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو لفظ کوئی شخص بولتا ہے جو آواز پیدا ہوتی ہے تو کان کے اندر ایک باریک سا پردہ ہے وہ لرزتا ہے اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اس کا ارتعاش آگے باریک رگوں میں

پھر ایک ارتعاش پیدا کرتا ہے۔ وہ ارتعاش دماغ میں جاتا ہے۔ دماغ اس کا ترجمہ کرتا ہے آواز میں ڈھالتا ہے اور یہ سارا کام اتنی جلدی ہو جاتا ہے کہ ادھر کسی کے منہ سے کوئی لفظ نکلا ادھر ہم نے سمجھ لیا کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے حالانکہ اس کے درمیان اتنا لمبا پراسس ہے لیکن وہ اتنی جلدی ہوتا ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ میں آواز ہی سن رہا ہوں۔ فرمایا اتنا باریک نظام جو رب العالمین نے دیا ہے اگر وہ اس کو بند کر دے اگر اس میں ارتعاش نہ آئے یا وہ پردہ پھٹ جائے اس سے آگے کی رگیں جو ہیں وہ بے حس ہو جائیں ارتعاش نہ آئے تو کوئی طاقت ہے جو تمہیں قوت دے سکے اور اگر وہ تمہاری بصارت لے لے تو کون ہے جو واپس دلا دے۔ بصارت کیا ہے؟ آنکھ اسی گوشت پوست کا ایک حصہ ہے۔ اس میں باریک رگیں ہیں یہی خون جو سارے جسم میں دوڑتا ہے آنکھ کے ڈھیلے میں بھی وہی خون ہوتا ہے۔ اس میں بھی نسیں ہیں، رگیں ہیں اور تصویر لیتی ہیں جو چیز اسکے سامنے آتی ہے اس کی تصویر لیتی ہے وہ تصویر دماغ میں جاتی ہے۔ دماغ اس کو دکھا دیتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں یہ مکان ہے، یہ گھر ہے، یہ درخت ہے، یہ انسان ہے، یہ فلاں بندہ ہے لیکن آپ کے نگاہ ڈالنے اور پہچاننے میں کہ یہ فلاں ہے اس کے درمیان بڑا لمبا کام ہے آپ کے آئینے نے تصویر لے کر بھیجی اس کا اثر دل تک پہنچا۔ کیسی عجیب بات ہے، آپ دیکھتے ہیں سامنے پھولوں کی بہار ہے، خوبصورت باغ ہے، آپ دیکھتے ہیں آپ کا کوئی محبوب آ رہا ہے، بیٹا ہے، بھائی ہے، دوست ہے، تو دل بھی کھل اٹھتا ہے۔ دیکھا تو آنکھ نے یعنی اس کی کیفیت دل تک جاتی ہے اور فوراً کوئی وقت صرف کئے بغیر ادھر آنکھ کھولی، کسی پر نگاہ پڑی ادھر دماغ نے بتا دیا یہ کون ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ آپ کا کیا لگتا ہے؟ یہ ایسا عجیب نظام ہے کہ ایک شخص کو ہم برسوں بعد ملتے ہیں دس سال بعد پندرہ سال بعد ہمیں یاد بھی نہیں ہوتا کہ وہ شخص تھا یا نہیں کبھی اس کے ساتھ ملازمت کی یا کاروبار کیا۔ ملاقات رہی یا تعلقات رہے۔ پھر بچھڑ گئے وہ کہیں اور چلا گیا ہم کہیں اور چلے گئے دس پندرہ بیس برس گزر گئے اچانک وہ سامنے آ جاتا ہے۔ دماغ کا کمپیوٹر بیس برس پرانی فائلیں کھول کر وہ ساری فائل سامنے لے آتا ہے، یاد آ جاتا ہے، یہ شخص فلاں تھا اس کے ساتھ میں نے وقت صرف کیا تھا اس کے ساتھ میری دوستی تھی فلاں جگہ اکٹھے رہے وہ پوری فائل کھول کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ ہم فر فر پڑھ لیتے ہیں ایک لمحے میں سارا کام ہو جاتا ہے آپ کہتے ہیں میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ارے بھائی آپ نے دیکھتے ہی کب پہچانا، جب وہ بات دماغ میں، دل میں، ہر طرف گئی نہیں آپ نے کیسے پہچانا۔ وہ فائل نہیں کھلی جو دماغ کے کمپیوٹر میں محفوظ تھی تو کیسے پہچانا لیکن یہ سارا کام اتنا آناً فاناً ہوتا ہے تو بندے کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ اس میں کوئی اور عضو Organ بھی ملوث تھا۔ اس نے بھی کہا صرف آنکھ نے دیکھا میں نے پہچان لیا۔ نہیں بھائی اس کے پیچھے بڑا لمبا پراسیس ہے یہ تو اس کے قادر مطلق کی قدرت کاملہ ہے کہ ادھر آپ کی نگاہ پڑی ادھر وہ سارا کام ہو گیا۔ یہ اتنا نازک ہے کہ اگر وہ اسے بند کر دے جس نے اتنی کاریگری سے بنایا ہے وہ اس کے سیل بند کر دے تو آپ کو تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔

وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے سینے میں ایک دل ہے حقیقتاً بادشاہ دل ہوتا ہے۔ دماغ ایک کنٹرولنگ اتھارٹی ہے۔ ایک ایسا وزیر ہے اس کا جو تمام اعضاء و جوارح پر اختیار رکھتا ہے۔ دل خواہش کرتا ہے یہ آرزو دل میں پیدا ہوتی ہے کہ یہ پھل مجھے کھانا چاہیے۔ دماغ وجود کو حکم دیتا ہے۔ وجود کھڑا ہو جاتا ہے ہاتھ کو حکم دیتا ہے وہ اوپر اٹھتا ہے لپک کر وہ پھل توڑتا ہے۔ بندہ کھاتا ہے لیکن یہ آرزو تو دل میں پیدا ہوئی اس پر عمل کرنے کا حکم آگے اعضاء و جوارح کو دماغ نے دیا۔ اگر کوئی جرم کرتا ہے گناہ کرتا ہے۔ پہلے خواہش اس کی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مجھے

اس سے پیسے لینے چاہئیں مجھے اس سے یہ چیز چھین لینی چاہیے۔ بعض اوقات دماغ دل کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ دماغ کہتا ہے کہ یہ کام غلط ہے یہ بڑی عجیب بات ہے لیکن وہ سوچ سکتا ہے غلط ہے دل کے حکم کا انکار نہیں کرسکتا آپ کبھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ ایک بندہ جواء کھیلتا ہے، چوری کرتا ہے، مار پڑتی ہے تو جب کبھی اسے خیال آتا ہے کوئی اس سے پوچھے تو کہتا ہے یہ کام اچھے نہیں ہیں اس میں بڑا نقصان ہے تو جب اچھے نہیں ہیں تو کرتے کیوں ہو؟ کہتا ہے بس ایسے ہی جب دل چاہتا ہے تو کر لیتے ہیں یعنی دماغ اس کا بھی کہہ رہا ہے کہ جو کر رہے ہو یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن دماغ مجبور ہے کہ جو دل نے حکم دیا ہے اس پر عملدرآمد کروائے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء وجوارح اس کی تائید کرتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ بادشاہت دل کے پاس ہے دل چاہتا ہے تو بندہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ دل چاہتا ہے تو بندہ اللہ کو دل میں بسا لیتا ہے۔ ہر لمحہ ہر دھڑکن میں اللہ کا نام شامل ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے تو دل میں مدینہ بس جاتا ہے۔ شاعر نے کہا تھا ناں

"یا قلب مدینے جا پہنچے یا دل میں مدینہ آجائے"

دل جب چاہتا ہے تو اس میں مدینہ بس جاتا ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کی یاد آپ کی عنایات آپ کے ارشادات ایک ایک لمحہ اس میں بس جاتا ہے آباد ہو جاتا ہے لیکن دل ہے تو ہوتا ہے اور اگر اللہ کریم ناراض ہو جائیں اور دل پر مہر کر دے تو کچھ لوگوں کے بارے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں اللہ کریم نے اطلاع دی اپنے نبی کریم ﷺ کو کہ ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہ ماننے والے نہیں ہیں إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ (البقرہ) یہ جو لوگ آپ کی اتنی محنت شاقہ کے باوجود کفر کر رہے ہیں ان کے لئے برابر ہے آپ تبلیغ کریں یا نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یا اللہ کیوں نہیں لائیں گے فرمایا خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے، کانوں پر مہر کر دی ہے اور آنکھوں پر پردے گرا دیئے ہیں اور انہیں بہت شدید عذاب ہوگا۔

کیسی عجیب بات ہے وہ لوگ گانا بجانا سن لیتے تھے وہ دنیا کی ساری تصویریں دیکھ لیتے تھے وہ حضور اکرم ﷺ کو بطور ایک ہاشمی بھائی کے دیکھ لیتے تھے محمد بن عبداللہ کو دیکھ لیتے تھے لیکن انہیں محمد رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آتے تھے۔ کیسی لطیف بات ہے کہ ایسی عجیب تبدیلی کر دی نگاہ میں اللہ نے کہ اندھے بھی نہیں ہوئے اور اندھے ہو بھی گئے یعنی انہیں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نظر آتا تھا محمد رسول اللہ ﷺ نظر نہیں آتے تھے اس لئے اللہ نے فرمایا يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾ (سورۃ الاعراف) آپ کی طرف نظریں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں لیکن آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکتے۔ بھئی انہیں آپ ﷺ کا وجود عالی تو نظر آتا تھا لیکن آپ ﷺ کی رسالت اور کمالات رسالت نظر نہیں آتے تھے یہ عجیب اندھاپن ہے عجیب عذاب ہے یا اللہ اتنی سخت سزا آپ نے انہیں کیوں دی؟ آپ نے فرمایا میں نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تو پھر ان بیچاروں کا کیا قصور جب آپ نے مہر کر دی تو پھر یہ نہیں مانتے تو پھر ان کا گناہ تو نہیں؟ فرمایا مہر میں نے زبردستی نہیں کی۔ یہی سوال پیش کیا گیا بارگاہ رسالت پناہی میں یارسول اللہ جب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تو پھر ان کا کیا قصور ہے؟ تو فرمایا اللہ نے زبردستی مہر نہیں کر دی جب بندہ ظلم کرتا ہے گناہ کرتا ہے تو دل پر تاریکی پیدا ہوتی ہے ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے توبہ سے دھو ڈالے تو دھل جاتا ہے توبہ نہیں کرتا پھر ظلم کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے تو وہ نقطے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ جب سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اللہ ناراض ہو کر مہر کر دیتا ہے کہ تم رہو اب اسی حال میں اب تمہیں توبہ بھی نصیب نہیں ہوگی موسیٰؑ برسوں محنت کرنے کے بعد بے شمار معجزات دکھانے کے بعد حق ثابت کرنے کے بعد جب فرعونی بالکل ہی اڑ گئے کہ بالکل ہی نہیں ماننا تو انہوں نے یہی بدعا دی تھی۔ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

(سورۃ یونس) یا اللہ اب ان کے دل پتھر کر دے اب انہیں توبہ نصیب نہ ہو اور انہیں تباہ کر دے یا اللہ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ دلوں کو پتھر بنا دے سخت بنا دے۔ فرمایا گناہ کرتے ہوئے یاد رکھو جس کی نافرمانی کر رہے ہو اگر وہ تمہاری بصارت چھین لے سماعت چھین لے یا دلوں پر مہر کر دے تو موت سے تم چھوٹ نہیں جاؤ گے موت تو زندگی کی ابتدا ہے جس زندگی کو ختم ہی نہیں ہونا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں زندگی بسر کرنا ہے بہت تکلیف دہ ہوگا۔ اگر اللہ یہ چیزیں لے لے تو اللہ کے سوا کوئی ہے جو پھر یہ نعمتیں دے سکے۔ کوئی نہیں۔ کتنی لمبی انسانی تاریخ ہے اللہ جسے موت بھیج دیتا ہے کوئی اسے ایک لحہ زندگی نہیں دے سکتا۔ اللہ جس سے یہ نعمتیں لے لے فرمایا کوئی دوسرا اس قابل نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اگر وہ یہ نعمتیں دے دے تو یہ جو نعمتیں تمہارے وجود میں ہیں یہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا تو کون دے گا؟ محبتیں کون دے گا؟ اطاعت واتباع کون دے گا؟ تعلق باللہ اور تعلق بالرسالت کون عطا کرے گا؟ یہ وہی ہے جو عطا کرتا ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ اے مخاطب ذرا دیکھ کہ میں بے نیاز قادر مطلق ہو کر کتنی خوبصورت دلیلیں دیتا ہوں حکماً منوا سکتا تھا زبردستی منوا سکتا تھا لیکن میں نے کہا میں نے تمہیں شعور دیا ہے استعداد دی ہے سمجھنے کے لئے اس لئے میں تمہیں دلائل سے سمجھاتا ہوں اور یہ تھوڑی دنیاوی زندگی ہے انسان کے پاس کتنا اختیار ہے کیا اپنی مرضی سے پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا اپنی مرضی سے اپنا قد کاٹھ بنا سکتا ہے؟ کیا اپنی مرضی سے اپنی عقل وخرد تراش سکتا ہے کیا اپنی مرضی سے علم وعمل کے خزانے بنا سکتا ہے؟ نہیں سب کچھ اس کی مرضی سے انسان کے پاس صرف ایک اختیار ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (سورۃ الدھر) ہم نے یہ اختیار انسان پر چھوڑ دیا ہے کہ اسے ہم نے دانا و بینا بنایا اور پھر اس کے سامنے دنیاوی لذات بھی ہیں اور اس کے سامنے میرا رخ انور بھی ہے میرا نبی ﷺ میرا رسول ﷺ بھی ہے اور میری کتاب بھی ہے اب اس کو ہم نے یہ اختیار دیا ہے کہ یہ فیصلہ کرے کہ اس نے اُدھر جانا ہے یا اِدھر آنا ہے۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھو یا اِدھر پروانہ آتا ہے

یہ دنیا وہ شمع ہے جو اللہ کریم نے جمال الٰہی کے مقابلے میں رکھ دی انسان کو درمیان میں چھوڑ دیا فرمایا دیکھتا ہوں تو وہی جا کر جل کر بھسم ہوتا ہے یا میرے رخ انور پہ نثار ہوتا ہے کدھر جاتا ہے تو اتنا سا اختیار ہے بندے کے پاس۔ فرمایا دیکھو کتنے پیار سے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں اور کتنی خوبصورت مثالیں دے کر قدرت کے جو آثار تمہارے وجود میں ہیں اور عجیب بات ہے یہ لوگ پھر بھی منہ پھیر کے چل دیتے ہیں۔ کہتے ہیں چھوڑو یہ پرانی باتیں ہیں یہ رسمی باتیں ہیں یہ قدامت پسندانہ رواجات ہیں جی یہ ہمیں وہ پرانے زمانے میں لے جانا چاہتے ہیں۔ جی اسلام نے نہیں کہا کہ قیمتی کپڑے نہ پہنو پرانے زمانے میں چلے جاؤ، اسلام نے یہ نہیں کہا کہ اتنے اچھے مکان نہ بناؤ جھونپڑیوں میں چلے جاؤ، اسلام نے یہ نہیں کہا کہ قیمتی گاڑیاں چھوڑ دو اور گھوڑے اور خچر پر سواری کرو۔ نہیں، اسلام کہتا ہے ہر نعمت دنیا کی تمہارے لئے ہیں خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴿۲۹﴾ (سورۃ بقرہ) لیکن اسے لینے کے اصول ہیں انصاف سے محنت سے اپنا حق بنا کر حاصل کرو اور کھاؤ پیو۔ لیکن دوسرے کا حق مت چھینو یہ کون سی قدامت پسندی ہے مجھے بتایئے یہ قدامت پسندی ہے کہ اپنا حق حاصل کرو اور دوسرے کو بھی موقع دو کہ وہ اپنا حق حاصل کرے۔ دوسروں کا حق مت چھینو۔ اب اسے اگر کوئی کہتا ہے جی یہ ہمیں پرانے زمانے میں لے جانا چاہتے ہیں تو وہ بدبخت ہے اس کو بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ جن لوگوں نے یہ باتیں سمجھیں انہیں تو یہ اس قدر عزیز لگیں کہ انہوں نے جانیں نچھاور کر دیں لیکن ان باتوں کو نہیں چھوڑا۔ اب جس کو سمجھ ہی نہ آئے اس کا علاج کیا ہے؟ لیکن سمجھ کیوں نہیں آتی؟ جب اللہ اور اللہ کے

کے لئے ہوتی ہے۔ عنداللہ قرب کے بعض منازل ایسے ہیں کہ جن تک پہنچنے کے لئے ان تکلیفوں سے گزرنا ضروری ہے جیسے اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ شہید ہونے کے لئے گلا کٹانا پڑتا ہے۔ سینہ کٹوانا پڑتا ہے، شہید ہونے کے لئے قتل ہونا پڑتا ہے، شہادت ایک ایسی منزل ہے کہ بندہ اس سے پہلے قتل کی تکلیف سے گزرتا ہے تو شہید ہوتا ہے۔ بعض منازل قرب ایسے ہیں کہ ان تکلیفوں، بیماریوں سے، دکھوں سے، قید کی سزاؤں سے گزر کر اس منصب پہ وہ بندہ فائز ہوتا ہے یعنی نیک بندے پر جو تکلیف آتی ہے یا اس کے اعمال کی کمی کو پورا کرتی ہے یا اس کے درجات کو بلند کرتی ہے ان دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ نیک بندے پہ تکلیف بھی آئے اسے جیل بھی جانا پڑے اسے قتل ہونا پڑے تو اس کے دل میں خوف نہیں ہوتا۔ اس کا دل مطمئن ہوتا ہے، ان کے دل میں دکھ نہیں ہوتا۔ درد نہیں ہوتا، شکایت نہیں ہوتی۔ کافر پہ جو تکلیف آتی ہے عذاب جب آتا ہے تو دل کو دکھی کر دیتا ہے اتنی تکلیف وجود کو نہیں ہوتی جتنی دل کو ہوتی ہے دلوں تک پہنچ جاتے ہیں سو فرمایا جب عذاب الٰہی آتا ہے تو اس سے صرف بدکار تباہ ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام المرسلین مبشرین ومنذرین ہیں۔ دیکھو نبی اور رسول جب تشریف لاتا ہے فرمایا اس کا ایک کام ہے اور یہ وہ کام ہے جو سوائے رسولوں اور انبیاءؑ کے کوئی دوسرا کر نہیں سکتا وہ تمہارے کردار میں جو اچھائیاں ہیں یا وہ اچھائیاں جن سے تم واقف نہیں ہو جن پر تعمیر آخرت کا مدار ہے۔ رضائے الٰہی کا مدار ہے دائمی زندگی جن پہ Depend کرتی ہے وہ اچھائیاں تمہیں میرا نبی کریم ﷺ بتاتا ہے اور ان کے نیک انجام کی بشارت بھی دیتا ہے کہ ایمان لاؤ گے یہ کام کرو گے تو اس کا تمہیں یہ انعام ملے گا یا پھر جو غلط کام لوگ کر رہے ہوتے ہیں ان سے بروقت مطلع فرما دیتا ہے۔ اردو میں ترجمہ کرنے والے یہاں منذرین کا مطلب بھی ڈر ہی لکھ دیتے ہیں نبی علیہ السلام کے لئے جب انذار استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی ڈر نہیں ہوتا صرف ڈر سے اس کا معنی ادا نہیں ہوتا۔ انذار یہ ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کوئی چیز کھانے لگا ہے ساتھ کوئی ڈاکٹر یا حکیم بیٹھا ہے اب وہ اس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس بندے کے چہرے کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے یہ چیز کھاؤ گے تو تمہیں فلاں بیماری ہو جائے گی یہ چیز کھاؤ گے تو تمہارا دل فیل ہو جائے گا یہ چیز کھاؤ گے تو بیمار ہو جاؤ گے تو ڈاکٹر کا تو محض اندازہ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات حتمی ہوتی ہے۔ سوچ سے لے کر کردار تک نبیؑ ہر شئے بتا دیتا ہے کہ سوچو گے یہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ انذار کا مطلب یہ ہے کہ کسی خطرناک کام کے خطرناک نتیجے کا اس کے صادر ہونے سے پہلے خبردار کر دینا انذار ہے محض ڈرانا نہیں ہوتا بات یہ ہوتی ہے کہ جو غلط سوچ فکر یا کام جو ہم کرتے ہیں اللہ کا رسول ﷺ اپنے علم نبوت سے ہمیں وقت سے پہلے بتا دیتا ہے تو فرمایا نبی ﷺ کا منصب جلیلہ یہ ہے کہ وہ بشارت دے اور برے کاموں کے برے نتائج سے بروقت مطلع کرے۔ اس کے بعد بال تمہاری کورٹ میں ہے۔ معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے جو ایمان لے آیا نبی ﷺ کی بات جس نے مان لی وہ کامیاب ہو گیا کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے ایمان کیا ہے تو انذار سے پہچان لے۔ سمجھنے کے لئے یہ سادہ سی تشریح کافی ہے اگرچہ علماء کرام نے اس کی بڑی علمی تشریحات کی ہیں۔ بہت علمی موشگافیاں بیان کی ہیں۔ ایمان کیا ہے کی سادہ سی تشریح سادہ سی بات ہے جو دل میں اتر جائے تو میں یہ سمجھتا ہوں جو مجھے اللہ نے سمجھ دی ہے میں اللہ کے کرم سے یہ سمجھتا ہوں ایمان نام ہے اس اعتبار کا جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے اور یہاں بات ختم ہو جاتی ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے۔ جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ جتنا یہ اعتبار ہمارا ہے اللہ کریم نے اس کی کسوٹی رکھ دی کہ بندہ دیکھے کہ میرا ایمان کتنا مضبوط ہے فرمایا فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ جس نے اعتبار کیا میرے رسول ﷺ پر یقیناً اس نے اپنی اصلاح کی۔ جن چیزوں سے حضور اکرم ﷺ نے پرہیز فرمایا ان سے پرہیز کرے گا جن

من الظلمات الی النور

محمد یوسف۔ شیفیلڈ۔ انگلینڈ

بچپن: میری پیدائش شیفیلڈ برطانیہ میں ہے۔ میرے والدین کا تعلق پاکستان سے ہے لیکن اب وہ برطانیہ کے شہری ہیں۔ بچپن میں میرے والدین نے بڑی کوشش کی میں دین سیکھ لوں۔ انہوں نے مجھے مساجد اور اساتذہ کے پاس داخل کرایا۔ لیکن مجھے بچوں سے جھگڑنے اور انہیں مارنے پیٹنے کی بری عادتیں پڑ چکی تھیں اس لئے جہاں داخل کرایا جاتا وہاں سے نکال دیا جاتا۔ میں قرآن پاک بھی نہ پڑھ سکا۔ پھر مجھے سکول میں داخل کرایا گیا لیکن میرے مزاج کی وجہ سے وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔

جوانی: مسجد اور سکول سے نکال دیئے جانے کے بعد میں بری سوسائٹی میں پڑ گیا میرے دوست جرائم پیشہ اور غیر مسلم تھے۔ میں نے اپنی ایک گینگ بنائی جس میں سارے کے سارے میرے سوا غیر مسلم تھے۔ ہم جرائم کے ہیرو کہلانے لگے۔ ہم لوگوں کے قرضے بندوق کی نالی پر وصول کرتے اور کمیشن لیتے۔ اس قسم کے جتنے جرائم تھے وہ میں نے کیئے اور بدمعاشی میں سب سے اونچی پوزیشن پر پہنچ گیا۔ میں نے اپنی عیاشی کے لئے ہزاروں پونڈ جمع کر لئے اور زندگی کی سہولتیں یعنی اعلیٰ مکان اعلیٰ گاڑی وغیرہ بھی حاصل کر لی۔ میرے پاس سب کچھ تھا لیکن سکون نہیں تھا۔

تبدیلی کا پہلا زینہ: میں نے آخری ڈاکہ کرسمس 92 میں ڈالا۔ اور کافی رقم اکٹھی کر لی جس سے میں کرسمس میں عیاشی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے بھائی مجھ پر زور ڈال رہے تھے کہ میں کرسمس میں اپنے ہوٹل میں کام کروں؟ یہ ہوٹل میرے خاندان کی ملکیت تھا۔ میرے چچا اور میرے بھائی مجھ سے زبردستی اس ہوٹل میں کام کرانا چاہتے تھے۔ جس پر میں نے اپنے چچا اور بھائی دونوں کو مارا لیکن بعد میں مجھے شرمندگی محسوس ہوئی اور میں نے اپنے چچا سے معافی مانگ لی۔ میں نے اوپر جا کر کپڑے تبدیل کیے اور نائٹ کلب جانے کے لئے تیار ہو گیا باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ تبلیغی جماعت والے کھڑے ہوئے ہیں۔ جن کو میرے والد نے بلایا تھا کہ مجھے سمجھائیں۔ ان میں ایک مولانا صاحب بھی تھے جو ان کے امیر تھے۔ انہوں نے مجھے سمجھایا۔ میری تعریف کی اور کہا کہ تم اچھے آدمی ہو۔ نماز پڑھا کرو۔ اچھے کام کیا کرو اور اسی طرح کی باتیں کیں جو تبلیغی جماعت والے کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں نے ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال دیا۔ آخر انہوں نے جاتے ہوئے پشتو میں کہا کہ یوسف کیا تم نے کبھی قبر کے بارے میں سوچا ہے کیا تم نے آخرت کی تیاری کی ہے۔ میں نے ایسی بات پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مسکرائے اور چلے گئے۔ جاتے وقت اپنا ایڈریس دے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اور دوسرے شہر میں نائٹ کلب میں چلا گیا۔ رات ایک بجے میں ایک لڑکی کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اسی وقت اگر مجھے موت آجائے تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ یہ خیال آنے کے بعد میں لڑکی کو لے کر باہر نکل آیا راستے میں اس نے بہت باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن میں کچھ اور ہی سوچ میں تھا میں نے اسے اتارنے کیلئے اس کے گھر کے

باہر گاڑی کھڑی کی لیکن وہ نہ اُتری تو میں نے اسے گھسیٹ کر باہر نکال دیا۔ میں سیدھا اپنے گھر گیا، تبلیغی جماعت کے مولانا صاحب کا دیا ہوا ایڈریس اٹھایا اور وہاں چلا گیا جہاں تبلیغی جماعت ٹھہری ہوئی تھی۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے مولانا صاحب نے دروازہ کھولا۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مجھے محبت سے بٹھایا اور چائے کا ایک کپ بنا کر دیا۔ تمام ساتھی سوئے ہوئے تھے انہوں نے مجھے بھی ایک بستر وہاں دیا۔ اور میں نشے کی حالت میں سو گیا۔ صبح اٹھا لیکن میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔ نہ ہی مجھے کسی نے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ کیونکہ مولانا صاحب نے ساتھیوں کو منع کر دیا تھا کہ اس کو کچھ نہ کہیں۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میرے لمبے بال تھے اور کانوں میں بالیاں پہنی ہوئی تھیں۔

میں نے دو دن تبلیغی جماعت کے ساتھ گزارے اس دوران دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ جماعت کے ساتھ چار مہینے گزاروں گا۔ واپس گھر آیا تو والدہ باورچی خانہ میں تھیں۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ وہ پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے پوچھا تم تین دن سے کہاں تھے۔ تمہارے والد اندر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں اندر گیا والد صاحب کو سلام کیا۔ والد صاحب غصے کے مارے کھڑے ہو گئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں تھے۔ ایسے موقعوں پر میں کئی بہانے بنایا کرتا تھا۔ مثلاً یہ کہ میرا جھگڑا ہو گیا تھا میں جیل میں تھا۔ یا میرا دوست ہسپتال میں تھا، میں اس کے ساتھ تھا۔ اب بھی میں نے کئی بہانے بنائے لیکن ان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا آخر کار میں نے کہا میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تھا اگر یقین نہیں آتا تو مولانا صاحب سے پوچھ لیں۔ تبلیغی جماعت کے مولانا صاحب کا نام سن کر وہ چپ ہو گئے۔

میں نے یکم جنوری 1993ء کو اپنے بال کٹوا دیئے، بالیاں اتار دیں اور داڑھی رکھ لی۔ میں نے اپنے کپڑے اور جوتے لوگوں کو دے دیئے اور ایک شلوار قمیض اپنے پاس رکھ لی۔ میرا بچپن کا ایک دوست غیر مسلم تھا اور میرے گینگ میں شامل تھا۔ میں اس حال میں اس کے پاس گیا تو وہ بڑا حیران ہوا اور وجہ پوچھی تو میں نے بتایا کہ مجھے اپنی موت کا خیال آ گیا ہے۔ میں نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے تو وہاں کیا جواب دوں گا؟ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس وقت اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور ہم دونوں تبلیغی جماعت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ہم نے تبلیغی جماعت کے ساتھ پانچ ماہ گزارے۔ مجھے تبلیغی جماعت کے ایک ساتھی نے بتایا تھا جو جماعت کے ساتھ چار ماہ گزارتا ہے وہ درجہ احسان کو پا لیتا ہے۔ میں نے کئی بار چار ماہ گزارے پھر چھ ماہ کی ترتیب پر آ گیا ایک بار ہماری جماعت فجی آئی لینڈ آ گئی وہاں ایک بڑی لاری نے ہماری گاڑی کو ٹکر ماری جس سے ہماری لاری بل کھاتی ہوئی نیچے آن گری۔ ہمارا ایک ساتھی وہاں شہید ہو گیا۔ اس کی کھوپڑی اور دماغ میرے منہ داڑھی اور سینے پر بکھرے پڑے تھے۔ میری ران ٹوٹ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے مرنے سے بچا لیا۔ میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ سات سال گزارے۔ کئی ممالک میں گیا میرا نام جماعت میں زندہ شہید مشہور ہو گیا لیکن مجھے دلی سکون نہ ملا مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے جو مجھے دلی سکون پہنچا سکتی ہے وہ کیا ہے مجھے معلوم نہ تھا۔

تبدیلی کا دوسرا زینہ: ایک دفعہ میں علماء کی جماعت کے ساتھ Huddersfield ہڈرز فیلڈ گیا جماعت کے تمام ساتھی سوائے میرے سب عالم تھے۔ وہاں میں نے ایک بیان دیا کہ اللہ کا ایک نظر آنے والا نظام ہے اور ایک نہ نظر آنے والا نظام ہے۔ جب آدمی حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے تو نہ نظر آنے والا نظام بھی نظر آنے والا بن جاتا ہے۔ یہ بات وہاں بیٹھے ہوئے ایک عالم نے سنی تو اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرایا۔ بیان کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہے۔ مجھے یہ نام اتنا اچھا لگا کہ میں بار بار ان کے بارے میں پوچھتا رہا وہ مجھے عشاء سے لے کے تہجد تک ان کے بارے میں بتاتے رہے میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ اس چیز کی کمی میرے اندر تھی۔ تبلیغی جماعت کے کچھ ساتھی دعوت تبلیغ کو چھوڑ کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک شیخ کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے۔ تبلیغی جماعت نے میری ڈیوٹی لگائی کہ ان کو واپس تبلیغی جماعت میں لائیں۔ میں ان کے پاس گیا اور ان کو تبلیغی جماعت میں واپس آنے کی دعوت دی انہوں نے مجھے کہا کہ ایک دفعہ آپ ہمارے شیخ کے ساتھ مل لیں۔ میں تیار ہو گیا ان سے ملا تو محسوس ہوا کہ اسی چیز کی میرے اندر کمی تھی۔ میں ادھر ہی ٹک گیا اور تبلیغی جماعت کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ بہت سے بزرگ مجھے واپس تبلیغی جماعت میں لانے کے لئے آئے لیکن میں نہ مانا۔ میں اپنے شیخ کے ساتھ پوری طرح منسلک ہو گیا۔ ان کے ساتھ حج اور عمرے کئے۔ انہوں نے مجھے تصور شیخ، آداب شیخ، دیگر اعمال اور لطائف کے بارے بتایا۔ مجھے لطیفہ قلب کرایا جو میں سات سال تک کرتا رہا۔ مجھے اپنے شیخ کا انتہائی قرب حاصل رہا۔ میرے پیر بھائی مجھ سے محبت کرنے کی بجائے حسد کرنے لگے۔

میں ایک دفعہ کچن سے واپس آ رہا تھا کہ میرا ایک پیر بھائی مجھ سے جان بوجھ کر ٹکرایا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے میرا گلا دبا دیا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا اسی رنج کی وجہ سے میں اپنے شیخ کے پاس نہیں گیا۔ تین ہفتے گزر گئے لیکن کسی نے میری خبر نہ لی اسی طرح مزید چھ ماہ گزر گئے لیکن نہ تو میرے شیخ نے اور نہ ہی میرے کسی پیر بھائی نے مجھ سے رابطہ کیا۔ میں مایوس ہو گیا لیکن تڑپ دل میں باقی رہی۔ مجھے ایک اور شیخ کا پتہ چلا جو اپنے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا شیخ بتلاتے تھے میں چار ہفتے لگاتار ان کے ساتھ رہا لیکن میرا دل مطمئن نہ ہوا۔

منزل تک رسائی: اب مجھے ایک ہی در نظر آیا۔ میں عمرے کے لئے بیوی بچوں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا۔ میں نے ملتزم کے ساتھ چمٹ کر دعا مانگی یا اللہ میں اپنا جسمانی تعلق، اپنے ماں باپ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک جان گیا ہوں لیکن اپنے روحانی تعلق سے واقف نہیں ہوں۔ یعنی روحانی طور پر میرا تعلق کسی واسطے سے حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے میری رہنمائی فرمائیں۔ میں تین ہفتے گزار کر عمرے سے واپس آیا تو میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا جو پاس انفاس کے طریقہ سے ذکر فرما رہے تھے۔ خواب ہی میں مجھے بتایا گیا کہ یہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بیدار ہوا تو خوشی محسوس ہوئی لیکن ساتھ ہی جستجو لگ گئی یہ اس دعا کی قبولیت تھی جو میں نے اپنے روحانی سلسلہ کو جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی اور مجھے مشائخ حضرت جنید بغدادی کی زیارت کرا دی گئی لیکن ساتھ ہی جستجو لگ گئی کہ حضرت کیا شغل فرما رہے تھے۔ میں نے تلاش شروع کر دی۔ برمنگھم میں محمد ضمیر اعوان صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے صاحب مجاز ہیں۔ میں ان سے ملا تو انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ اور موجودہ شیخ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے متعلق بتایا جب طریقہ ذکر بتایا تو وہ بعینیہ وہی تھا جو میں نے خواب میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سلسلہ درست ہے۔ میں سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہو گیا۔ اس دوران سابقہ پیر نے جس کے ساتھ عمرے پر جانے سے پہلے چار ہفتے گزارے تھے۔ مجھے ٹیلیفون کیا میں نے پوچھا کہ آپ بھی اپنے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا شیخ بتاتے ہیں اور ایک مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بھی ہیں۔ تو اسنے سنتے ہی کہا کہ نہ تو میں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا ہوں اور نہ مجددیہ کا۔ میں تو بس اللہ اللہ کرتا ہوں۔ میں نے جواب سن کر ٹیلیفون بند کر دیا۔ دو تین مہینے بعد میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پاکستان حضرت کے پاس دار العرفان آ گیا۔ میرے بیوی بچے بھی

بیعت ہو گئے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کی برکات:

دارالعرفان میں حضرت مدظلہ العالی نے ملک احمد نواز صاحب کی ڈیوٹی مجھے ذکر کرانے کی لگا دی مجھے انہوں نے مراقبات ثلاثہ کرائے۔ سیر کعبہ کا مراقبہ کرایا اور کچھ دن بعد کہا کہ حضرت نے مسجد نبوی کا مراقبہ کرانے کے لئے فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ حضرت کا حکم ہے۔ پھر انہوں نے مجھے مسجد نبوی کا مراقبہ کرا دیا۔ سلسلہ میں آنے کے بعد مجھے مختلف اطراف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس میں میرے تبلیغی جماعت کے سابقہ ساتھی۔ میرے پہلے شیخ کے مریدین اور دیگر لوگ شامل تھے جس کی وجہ سے میں ایک سال تک سخت پریشان رہا۔ یہاں تک کہ میں ہر سال رمضان میں عمرے پر جاتا تھا لیکن اس سال 2007ء میں 12 رمضان المبارک تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ سخت پریشانی تھی کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی اور اپنی پریشانی کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا کہ اللہ کو مجھ پر رحم آیا رات کو خواب میں حضرت شیخ المکرّم مدظلہ العالی کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھے گلے لگا کر بھینچا تو میرے سینے سے نور کے فوارے پھوٹ پڑے۔ نہ صرف میرے لطائف سے انوار کے چشمے بہنے لگے بلکہ میرا پورا جسم اندر اور باہر سے نور میں نہا گیا۔ میری تمام پریشانیاں ایسے ختم ہو گئیں جیسے تھی ہی نہیں۔ جب جاگا تو میں نہایت تروتازہ تھا اور میں خوشی سے سرشار تھا۔ میں نے سب سے پہلے اپنے بھائی کو بتایا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اپنے شیخ سے جا کر ملو۔ میں نے جلدی جلدی ٹکٹ خریدا اور لندن سے سیدھا دارالعرفان آیا۔ جس وقت میں پہنچا تو 20 رمضان المبارک تھی اور مغرب میں 15 منٹ باقی تھے۔

مجھے مجازین کے کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا مجازین کیا ہوتے ہیں۔ میں نے ان کے بستر دیکھے تو سوچا یہ تو کوئی غریب لوگ ہیں۔ جبکہ میرے بستر میں ہوا بھری ہوئی تھی اور باقی بستروں سے اونچا تھا۔ ذکر کے دوران میں نے دیکھا کہ چند مخصوص لوگ ذکر کے دوران دائیں طرف بیٹھتے ہیں میں نے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے بتایا کہ صاحب مجاز ہیں۔ میں نے پوچھا کہ صاحب مجاز کون ہوتے ہیں اور ان کا کیا کام ہے تو انہوں نے کہا یہ حضرت کے خلفاء ہیں۔ حضرت مدظلہ العالی کی طرف سے ان کو ذکر کرانے کی اور کچھ مراقبات کرانے کی اجازت ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کمرہ نمبر 2 میں۔ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ تب مجھے سمجھ آئی کہ جن کو میں غرباء سمجھ رہا تھا وہ صاحبان مجاز تھے۔ اور یہ ان کی سادگی تھی کہ وہ بالکل عام آدمی کی طرح رہ رہے تھے۔ میں نے کمرے میں آکر اپنے بستر سے ہوا نکالی اور ادب سے بیٹھ گیا۔ اتنے میں جناب حیدر زمان صاحب اور جناب غلام قادری صاحب کمرے میں آئے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ "ہوا نکل گئی" اس پر وہ خوب ہنسے۔ میں اعتکاف کے لئے آتے ہوئے حضرت مدظلہ العالی کے لئے اور ملک احمد نواز صاحب کے لئے کچھ تحائف لایا تھا۔ جب میں نے ملک صاحب کو تحفہ دیا تو بجائے قبول کرنے کے اس کو سخت ناپسند فرمایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سلسلہ عالیہ میں مجازین عام طور پر تحائف قبول نہیں کرتے۔

2008ء کے اوائل میں میں اپنے گھر میں موجود تھا کہ مجھ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی اس کیفیت میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں عمرہ پر جاؤں گا۔ پھر میں دارالعرفان منارہ اجتماع پر جاؤں گا۔ اس کے بعد میں رمضان میں اعتکاف پر جاؤں گا اور دوران اعتکاف میری روحانی بیعت ہوگی۔ بظاہر میرا عمرہ پر جانے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ کیونکہ میرے پاس بہت بڑا کنٹریکٹ Contract تھا اور اس کو مکمل کرنا تھا۔ لیکن اللہ کی طرف سے ایسی مہربانی ہوئی کہ دو دن کے اندر میرا عمرہ کا ویزہ لگ گیا اور میں چلا گیا۔ میں ایک دن بیت اللہ میں مطاف میں بیٹھا ہوا تھا کہ استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میں نے اپنے آپ کو بیک وقت مسجد نبوی میں "دارالعرفان

شیخ المکرّم کی خدمت میں'' طواف کرتے ہوئے اور روضۂ اطہر ﷺ کے سامنے پایا تھوڑی دیر کے بعد اس کیفیت سے باہر نکلا تو اسی طرح مطاف میں بیٹھا ہوا تھا۔ عمرے سے واپس انگلینڈ آ گیا جب دارالعرفان میں اجتماع شروع ہوا تو میں اجتماع میں آ گیا۔ اجتماع کے دوران مجھے یہ سمجھ آئی کہ میں جس چیز کی تلاش میں تھا مجھے مل گئی ہے۔ مجھے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور کی جھلک نظر آئی۔ مجازین ساتھیوں کی تربیت فرما رہے تھے لیکن ان کے اور عام ساتھیوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ جبکہ انگلینڈ میں شیخ کے خاص اور عام مریدین میں واضح فرق نظر آتا تھا۔ میں چند ماہ بعد دوران رمضان اعتکاف میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میرے مکاشفہ کے مطابق میری روحانی بیعت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعامات عطا فرمائے۔

اس سلسلے میں آنے سے پہلے میری بچی کو تین سال سے جنات کے سایہ کی شکایت تھی۔ میں مختلف عاملوں اور پیروں کے پاس گیا لیکن کہیں سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ جب میں اس سلسلہ میں آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ذکر پاس انفاس سے جنات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کمرے میں ذکر شروع کیا جہاں میری بچی سوتی تھی۔ جیسے ہی میں نے ذکر پاس انفاس شروع کیا تو میری بچی کا مسئلہ ختم ہو گیا اور اسے پھر جنات کی شکایت نہیں ہوئی۔

سلسلہ میں آنے اور ذکر شروع کرنے سے پہلے میرے اپنے بھائیوں چچاؤں اور ان کے خاندان کے افراد سے تعلقات کشیدہ تھے۔ ذکر شروع کرنے کے بعد میں نے ان کو دعوت ذکر دی جس سے وہ متاثر ہوئے اور آہستہ آہستہ نہ صرف ان کے تعلقات مجھ سے بہتر ہوئے بلکہ ان میں سے کچھ نے باقاعدہ ذکر شروع کر دیا ہے۔

میرا ایک بچپن کا دوست تھا جو غیر مسلم تھا اور میرے ساتھ کام کرتا تھا اس کو چند پریشانیاں لاحق تھیں۔ میں نے اس کو بتایا کہ آپ میرے گھر آئیں ہم ایک Therapy کے ذریعے آپ کی پریشانیوں کو دور کر دیں گے۔ وہ میرے گھر آ گیا۔ میں نے اس کو طریقہ ذکر بتایا اور دوران ذکر سب سے پیچھے بٹھایا۔ جب ذکر شروع ہوا تو وہ گہری نیند سو گیا۔ اس کو اتنا سکون محسوس ہوا کہ بعد میں وہ خود آنا شروع ہو گیا۔ اس نے ذکر سیکھا اور صبح و شام باقاعدگی کے ساتھ ذکر کرنے لگا ذکر کرنے کے بعد جب ہم نماز پڑھنے لگے تو وہ بھی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ لیکن میں نے اس کو روک دیا۔ اس کی دلچسپی دن بدن بڑھتی گئی۔ ایک دن اس نے کہا میں مسلمان ہوتا ہوں۔ میرا نام یعقوب اور میری بیوی کا نام مریم ہو گیا۔ اس طرح وہ تقریباً 2 ماہ بعد مسلمان ہو گیا اور داڑھی بھی رکھ لی۔

میرے دوستوں میں ایک نائٹ کلب کا باؤنسر تھا اس کو جب میں نے دعوت دی تو اس کو کچھ دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کی خالہ بھی ذکر میں دلچسپی رکھتی تھی اس نے سلسلے کے بارے میں تحقیق کی پھر انگلینڈ سے آ کر بیعت ہوئی۔ واپس گئی تو اس کے گھر پر ذکر شروع ہوا۔ ایک دن وہ باؤنسر بھی ذکر میں شامل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ باقاعدگی سے ذکر کرنے لگ گیا نماز شروع کر دی۔ داڑھی بھی رکھ لی بعد میں اس نے وہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور دوسرا کام شروع کر دیا۔

ہمارے علاقے میں ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جس میں تقریباً 850 طالب علم پڑھتے ہیں۔ اس مدرسے کے سب سے بڑے عالم کا نام مولانا شعیب ڈیسائی ہے۔ میں نے ایک دن فجر کے بعد ان سے لطائف اور ذکر کے بارے میں سوال کئے اور دو گھنٹے تک تصوف کے بارے میں گفتگو کرتا رہا آخر میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب دلائل السلوک ان کو پڑھنے کے لئے دی۔ انہوں نے دلائل السلوک کا مطالعہ کیا بہت متاثر ہوئے اور پوچھا کیا تم ذکر کرتے ہو؟ میں نے ان کو بتایا کہ ہاں ہر جمعرات کو گھر میں ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں عمرے پر جا رہا ہوں واپسی پر ذکر شروع کروں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے ہم مسجد میں ذکر کے بارے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اجازت دے

دی۔ مفتی عبدالوہاب صاحب اور صاحب مجاز محمد ضمیر اعوان صاحب نے مسجد میں ذکر کے بارے میں بیان کیا اور دعوت ذکر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب مسجد میں باقاعدگی کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ جس میں مولانا شعیب ڈیسائی اور ان کے بعض مقتدی باقاعدہ ذکر کرتے ہیں۔

الحمدللہ اس سلسلے میں شامل ہونے کے بعد یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اب اس دعوت کو عام کیسے کیا جائے۔ چنانچہ ان اقدامات کے علاوہ جو بیان کئے گئے ہیں ہم نے مرکز کے لئے Brad ford میں ایک بلڈنگ خریدی اس کی قیمت تقریباً 500,000 پاؤنڈ تھی لیکن اللہ کی مہربانی سے وہ 200,000 پاؤنڈ میں مل گئی۔

اس وقت نارتھ آف انگلینڈ North of England میں دس حلقۂ ذکر ہیں مجھے North of England کا امیر مقرر کیا گیا ہے ان حلقوں میں میرے علاوہ Brad ford کے امیر بھی ذکر کرانے جاتے ہیں۔ مرد حضرات تو سلسلے میں شامل ہو رہے ہیں لیکن خواتین بھی زیادہ دلچسپی لے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس دعوت کو مزید پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

KHALOOS (Sincerity)

Remaning part of the Translated Speech printed in previous month.

I am talking about those who cross safely. Those who were lost on the way I am not talking about them. I am talking about those who cross the river safely and when they come out the bigger the utensil they have the more water in it. The more Khaloos they have the more muraqabat they have. This was an important question asked by a friend that sometimes people with very high muraqabat, when they die their muraqabat were very less. I generally do not speak on such matters, but now that it is being discussed, he will get the answer.

Death is like crossing the river. As long as one is alive, is in the river with water all over him, but when he will come out of the river he will only have that much water as big as his utensil. Death is crossing the river to get on the other side. So every moment is a blessing. Remember Allah as much as you can. This will generate Khaloos. Khaloos is a feeling which determines the importance of things. If you have Khaloos then Allah and His Prophet (SAW)'s commands will have priority and the importance of worldly pleasure will diminish and vice versa. We keep on judging others; everyone is accountable to Allah, not to others. Judge your ownselves. I pray that Allah may grant everyone the capacity to act righteously. If He gives a living heart then there is no fear of death. Akhirah is our home we have to go back. Every breath of ours is either sowing a flower or planting thorns in our home. Everyone will see what he has done and will bear the consequences of his deeds. Whatever we are sending to our eternal abode will be present there. If we are committing crimes here then police will be waiting for us, and if we are earning wealth and sending it there then there will be wealth and comfort.

Ask for capacity to do good and the best medicine for all problems is Allah's Zikr which should never be missed.

ہے اس میں دورِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر مصنف کے دور تک کے واقعات درج ہیں۔ گیارھویں صدی کا ایک واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ کل میں سرائے میں جا کر ٹھہرا کمرہ کرائے پر لیا اندر جا کر جب دروازہ بند کرنے لگا تو دروازے کے ساتھ دو بالیاں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ مرد سونے کی لمبی لمبی بالیاں پہنا کرتے تھے۔ فرمایا، کہ میں نے وہ بالیاں اٹھائیں اور تنور پر کام کرنے والی خاتون کو پکڑا دیں کہ تم گاہکوں کو پہچانتی ہو۔ اگر ان بالیوں کا مالک آئے تو اسے لوٹا دینا۔ اس خاتون نے کہا میں کیوں کسی کی چیز لوں تم یہ جا کر کوتوال کے پاس جمع کروا آؤ۔ کوتوال کے پاس گئے اس نے کہا پتہ نہیں ان کا مالک کون ہے؟ اور واپس آتا بھی ہے یا نہیں تو میں کسی کی چیز کو کیوں ہاتھ لگاؤں۔ بہر حال کافی ردوکد کے بعد کوتوال نے وہ بالیاں جمع کروالیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ غالباً گیارھویں صدی کی رات تھی صبح ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ میں کیا پاگل تھا کہ اتنا سونا ہاتھ آیا تھا وہ بھی کوتوال کے پاس جمع کروا دیا لہٰذا میں اٹھا اور ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ تنور والی عورت آگئی کہنے لگی مجھے بالیوں کا مالک مل گیا ہے وہ سونا مجھے دے دو۔ میں نے کہا وہ تو کوتوال کے ہاں جمع ہو چکی ہیں۔ ہم دونوں کوتوال کے پاس پہنچے تو کوتوال نے کہا کہ ان بالیوں کا مالک رات کو آ کر مجھ سے بالیاں واپس لے جا چکا ہے۔ یہ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ میں خود حیران تھا کہ مجھے کیا ہوا؟ مجھے بددیانتی کیسے سوجھی؟ اور تنور والی کیسے تبدیل ہوئی؟ اور کوتوال تو وہ سونا ہی ہڑپ کر گیا تو یہ تبدیلی اتنی جلدی کیسے ہوگئی؟ پھر مجھے سمجھ آگئی کہ کل دسویں صدی ختم ہوگئی تھی گیارھویں صدی شروع ہو چکی ہے اس کے نتیجے میں لوگوں کے مزاجوں میں ایسے تبدیلی آگئی۔

یہ واقعہ لکھ کر وہ بتاتے ہیں کہ جب صدی تبدیل ہوتی ہے تو مزاجوں میں کتنا فرق آجاتا ہے اور خود اپنے میں بھی آنے والی تبدیلی کو بیان کرتے ہیں۔

قدرت کا یہ نظام ہے کہ جب لوگوں کے مزاج بگڑتے ہیں تو اصلاح کے لئے وہ مزید طاقتور اسباب بھیج دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت عالی سے پہلے تک اصلاح کے لئے انبیاءؑ تشریف لاتے رہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد انبیاء نہیں آنے تھے تو اصلاح کا کام اللہ کریم نے علماء ربانیین کے ذمے لگا دیا۔ یہ اللہ کریم کی مرضی ہے کہ وہ جس سے جو کام چاہے لے لے۔

اسی بات کو سمجھنے کے لئے اس انداز سے بھی دیکھیں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جو میری اس سنت کو زندہ کرے گا جو چھوٹ گئی ہوگی تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ جب ایک سنت کو زندہ کرنے کا ثواب سو شہیدوں کے اجر کے برابر ہے تو کیا یہ سنت نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جو بھی آیا اس کے وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو گیا جیسا کہ صحابہ کرام کی تعریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر آیت 23) ایمان کی نظر سے جس نے دیکھا یا آپ ﷺ کی نظر اس پر پڑی جو ایمان لایا تو اسی لمحے صحابیؓ بن گیا۔ تابعین اور تبع تابعین میں بھی یہ سنت جاری رہی جو بحالت ایمان تابعین کی خدمت میں پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا۔

مفتی صاحب! تبع تابعین سے لے کر مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ تک۔ اس پورے عرصے میں کوئی ایک فرد کا نام لیجئے جس کے پاس آنے والا ہر شخص ذاکر ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے چودہ صدیوں میں بڑے عظیم نام ملتے ہیں۔ بڑی انقلاب آفرین ہستیاں دنیا پر تشریف لائیں۔ لاکھوں لوگوں کی ظاہری اصلاح فرمائی لیکن قلبی کیفیات اور روحانی تربیت کی جب بات آتی ہے تو یہ نعمت انہوں نے صرف چند لوگوں کو عطا کی۔ آٹھ دس سے زیادہ لوگ نہیں تھے جنہیں اُمور قلبی سکھائے۔ وہ سنت کہاں گئی کہ ہر آنے والے کا قلب منور ہو جائے۔ میری معلومات کے مطابق سب سے زیادہ شاگردوں کی تربیت شیخ سرہندی نے کی لیکن اس کے لئے انہوں نے ایک قید رکھی کہ آنے والا عالم ہو یعنی علماء کی ہی تربیت فرمائی۔ اسی طرح مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہے آپ صاحب منصب ولی اللہ تھے۔ قطب ارشاد تھے۔ قطب ارشاد روئے زمین پر چار افراد ہوتے ہیں وہ روئے زمین کی ساری آبادی میں سے ان چار میں سے ایک تھے لیکن کوئی ایک فرد بھی بتائیں جسے انہوں نے ذکر قلبی سکھایا ہو۔ ان کی تحریریں آج بھی موجود ہیں۔ فرماتے تھے کہ چار سال کا اپنا خرچ لے کر آؤ۔ گھر والوں کے چار سال کے ضروری اخراجات کا بندوبست کر کے

آؤ۔ چار سال میرے ساتھ رہو کیا کسی نے یہ شرط پوری کی؟ تحقیق کر کے دیکھ لیں۔

میری معلومات کے مطابق اللہ کریم نے یہ شرف حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا کہ وہ سنت پھر زندہ کر دی کہ مرد و عورت ، بچہ بوڑھا، پڑھا لکھا، ان پڑھ جو بھی آیا وہ دل کو روشن لے کر گیا۔

ہمارے ہاں گاؤں میں مسجد کے لئے ملازم رکھے جاتے ہیں ایک صفائی کے لئے دوسرا پانی بھرنے کے لئے یہ لوگ عموماً گاؤں کے غریب لوگ ہوتے ہیں۔ ساری عمر مساجد میں پانی بھرتے رہتے ہیں اور کم ہی ادائیگی صلوٰۃ کرتے ہیں۔ انہیں اس کی عموماً پرواہ ہی نہیں ہوتی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جو پانی بھرتا تھا میں نے اسے بھی فنافی الرسول دیکھا ہے۔

اب آپ کا یہ اعتراض کہ یہ اعزاز مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں ملا یہ آپ اللہ کریم سے کیجئے۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں نہ ہم نے اس کی سفارش کی تھی۔ ہم تو تھے ہی نہیں ہم تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں بعد میں آئے۔ لیکن یاد رکھئے اللہ بڑا غیور ہے۔ لوگوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا تھا کہ اللہ نے نبوت ہی دینی تھی رجل من القریتین۔ کسی بڑے بندے کو دیتا۔ اس نے ایک یتیم کو دے دی؟ تو اللہ کریم نے فرمایا اھم یقسمون رحمت ربك یہ میرے خزانوں کی تقسیم کے انچارج ہیں یا میں اپنی مرضی سے عطا کرتا ہوں؟ کیا یہ فیصلہ کریں گے کہ میں کس کو نبوت دوں اور کس کو نہ دوں؟

اسی طرح برکات نبوت کی تقسیم کے لئے وہ کسے پسند فرماتا ہے؟ کس کی ذمہ داری لگاتا ہے؟ مفتی صاحب! یہ فیصلہ میرا اور آپ کا نہیں ہے۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ کس سے کیا کام لیتا ہے؟ علمی اور عقلی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس سنت مبارکہ کا احیاء حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوا۔ یہ اللہ کی مرضی اور اس کی رحمت ہے وہ اپنے انداز سے تقسیم کرتا ہے۔ یوں تو علماء کے ارشادات اصلاح کے لئے کافی ہونے چاہییں لیکن آج علماء خود بھٹک رہے ہیں الا ماشاء اللہ۔ حلیۃ الاولیاء میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گناہ بیماری ہے اور علماء اس کی دوا ہیں۔ اگر دوا ہی بیماری بن جائے تو لوگ کہاں جائیں گے؟ آج اس دور میں ان کا یہ ارشاد صادق آتا ہے کہ اکثریت پڑھتی بھی نہیں تقریریں رٹ کر لوگ عالم بن جاتے ہیں اور جو لوگ واقعی پڑھتے ہیں محنت کرتے ہیں تعلیمات حاصل کرتے ہیں ان میں بھی چند ہیں جن پر اللہ کا کرم ہے ورنہ اکثریت سارا علم چند ٹکوں کے عوض بیچتی ہے۔ جہاں سے پیسہ ملتا ہے ادھر کی باتیں کرتے ہیں دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، جہاں دین کو دنیا کا ذریعہ بنایا جائے اس سے بڑی دین کی اور کوئی توہین نہیں۔ کوئی گناہگار گناہ کر کے اتنا توہین نہیں کرتا جتنی ایک علم رکھنے والا دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا کر کرتا ہے۔

تمام متقدمین کی سوانح پڑھیئے۔ ہر ایک نے اپنے لئے رزق خود پیدا کیا۔ محنت و مزدوری کی اور کاروبار و تجارت بھی کی روزی خود کمائی اور دین کی خدمت ایسی انجام دی کہ رہتی دنیا تک لوگ ان کی رہنمائی میں زندگیاں بسر کرتے رہیں گے۔

آپ مفتی ہیں۔ فقہ کے احکام سے بخوبی آگاہ ہیں کہ صلوٰۃ کی امامت کروانے، تراویح پڑھانے، قرآن پڑھانے، پر کوئی اجرت نہ دی جاسکتی ہے نہ لی جاسکتی ہے۔ اگر کسی نے اجرت لے کر دینی کام کیا تو ایسے امام کی نہ اپنی صلوٰۃ ہوئی نہ اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی صلوٰۃ ادا ہوگی۔ لہٰذا فقہا نے یہ جواز نکالا کہ صلوٰۃ کی امامت کروانے والے کو اور قرآن پڑھانے والے کو اس کے وقت کی اجرت دی جائے اس لئے کہ اسے اوقات مقررہ پر مسجد میں ہونا لازم ہے تو اس کام پر اجرت حرام ہے لیکن اس وقت کی اجرت دینا اس لئے جائز ہے کہ اس نے روزی کمانے کا وقت مسجد میں دے دیا۔ لہٰذا وقت کی اجرت دینا جائز ہے۔

جو اجرت پر دین پڑھاتے ہیں ان کے کارناموں پر آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ آپ ان پر اعتراض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دل بدل دیئے، چوریاں اور ڈکیتیاں کرنے والے شراب اور نشہ استعمال کرنے والے ان راستوں کو چھوڑ کر اللہ اللہ کرنے لگ گئے۔ کیا یہ مقام حیرت نہیں کہ لوگوں کی پسند تبدیل ہوگئی نیکیوں کی رغبت آگئی اور برائی بری لگنے لگی۔

یہ اگرچہ کیفی دلائل ہیں جو وہی سمجھ سکتا ہے جو صاحب کیفیات ہو لیکن علمی اور عقلی دلائل تو ہر عقلمند شخص سمجھ لیتا ہے۔ اگر اللہ کریم نے یہ کام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ سے لے لیا تو یہ اللہ کی مرضی۔

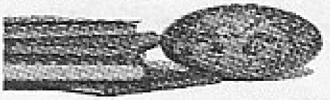

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن راولپنڈی بورڈ اور
پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے
پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

صقارہ سائنس کالج

داخلے جاری ہے

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی
(پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)

داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1

پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ
چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک
قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم
(صحت افزاء مقام)

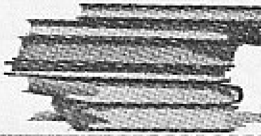

شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع

پرنسپل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)
مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں
صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200
For Feed Back: siqariah@siqarahedu.com, principal@siqarahedu.com
viceprincipal@siqarahedu.com Visit at: www.siqarahedu.com

خوشخبری

حضرت امیر المکرم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care — Rs.200 — کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے۔ مالش کے لیے

پین گو
Pain Go — Rs.100 — ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil — Rs.500 — بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough Ez — Rs.30 — کھانسی کیلئے گولیاں

کیوریکس
CUREX — Rs.175 — جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے کھانے کے لیے

ملنے کا پتہ :- دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون 0543-562200
17- اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-35182727

of Allah . In either case the blessings of Allah will be with us.' Anyhow, the war erupted and the government of Afghanistan was toppled. America and its allies occupied the country and deployed a destructive net of weapons and fire on its soil. Decades before this, the ten years of the Russian occupation saw the life, property and honour of the Muslim Afghans trampled. And now once again it was at the mercy of the Americans.

Mulla Umar was a simple countryman even while living in the president house. He would sit on a floor mat sipping green tea and eating rusks for his breakfast. He would use a motorbike to go from one village to another. Our former president Musharraf used to cynically remark that Mulla Umar had fled from his country on a motorbike, but Mulla Umar and his motorbike is still in that country roaming around the same villages, while our president himself has fled from his country. Whatever happened, it makes one wonder about the unshakable faith of this man in Allah , that 'even if America attacks, I have Allah on my side because I am fighting in the defence of his Deen (religion) and in the footsteps of Prophet Mohammad saws. Allah willing America will be defeated.' Who would have believed at that time what this man was saying. They rather dismissed it as a frivolous claim of a crazy man. But today, after so many years not only America but also its 38 allies are facing defeat. And that humble, selfless, and Allah -fearing man seems destined to succeed. All of this seems extraordinary, a Divine Act, and a miracle of the Holy Prophet saws. How else one can interpret the ultimate outcome of that war? By just mentioning these events in passing I wanted to say that the attack of America and its allied forces on the nascent government of Afghanistan was a colossal event. The consequences of this event for once have changed the pages of history and its repercussions have been felt by the whole world. I do not wish to indulge in the discussion of who suffered what and how much. But everyone knows what destruction it caused. The world is still shaking with awe from its effects.

But just visualise how the "lord America" and its supporting countries are now preparing to leave, because one day they have to; but they are doing so without accomplishing their mission. They were squarely beaten and that down-to-earth villager who likes to travel on his motorbike is about to taste victory. Victor he is, by the grace of Allah , but some ends remain to be completed.

Now, in this background there appears a scenario: the result of American attack and its ultimate defeat at the hands of a weaponless, faithful Muslim will prove to be a catastrophe. Just imagine what would be the reaction of the world to this disaster and how far its consequences would be felt. It is my personal opinion that there will be a great revolution in the Indo-Pak sub-continent and those Asian states which were directly affected. As a result of this revolution there will be peace and justice. The blood of all the people who died in the cause of Allah and of other innocent people will colour the whole society. Only then peace, amity, and Islam would reign supreme, and Insha Allah its impact will be felt by the world community at large. Every thinking person should be able to see, according to his own vision a slightly hazy picture of the time to come. A memorable event is about to occur, as it surely will Insha Allah but it is perhaps beyond my power of writing to portray it. But one thing is certain that all kinds of excesses would be eliminated and honesty and justice will prevail. In my opinion, the world is at the edge of a momentous positive change. Please think and see, what kind of scenario does your mind develop.

Laden. Whether it was right or wrong is a separate issue, but as a result, America asked the Afghan Government to hand over Osama Bin Laden to them, who was living in Afghanistan at that time. The Afghan Government argued that the demand was not justified merely on the basis of allegations. Yes, if a tangible proof against him was provided to them, they would certainly hand him over to the Americans. It infuriated America. Arrogant of their super power status they could not believe that a poor country like Afghanistan would dare ask for a proof. They rather expected that their orders should have been obeyed without any questions asked. This was what was at the surface of the matter. But the fact that lay hidden beneath was entirely different, which in my opinion was something like this:

That if the Taliban continued to govern the way they were, then the whole world would eventually accept them. Perhaps even the Americans, as a nation, may also be influenced and begin to convert to Islam, which will make it a dominant force. And that would mean the beginning of the end of their culture. I have myself heard the American President Bush say on the television, "...they were going to finish our culture around the globe." This was the core issue at the heart of the matter, which our intellectuals have yet to comprehend. Anyway, the situation kept on worsening as the American pressure mounted. America also convinced other nations to its point of view, while Afghanistan remained focused on its principle stand. Meanwhile, the circumstances continued to deteriorate until America attacked Afghanistan. My opinion even at that time was that the ghost of Al-Qaeda was the brainchild of America, since this name was never heard before. The American government and Jews collaborated to plan the insidious 9/11 event, so that a reason could be created to attack Afghanistan. A lot has been said and written even in America on this topic as well as on the war between America and Iraq. I also happen to get hold of two or three copies of these books. In any case America attacked Afghanistan alongwith the armies of some 38 countries. This was no small matter. If one cares to think, the enormity of the incident would dawn on them. It was a moment of such magnitude that the ensuing 'shockwaves' had literally disturbed the balance of the whole world... and they still do. Its consequences are still felt even after ten or eleven years. High-flying modern Amercian aeroplanes were dropping bombs on the soil of Afghanistan. At that time an American television team had visited me to know my views about the 9/11. I said the same thing to them that I am saying today. I remember that the American interviewer turned red, on which I asked him if he was a Jew, to which he replied he was not but that he was an American at least. I offered him some sweets so as to cool him down and sweeten his feelings and packed the remaining candies for him to take for his team-mates. He also asked me, what would happen when soon the Afghan government would fall and the American army would occupy Afghanistan. I said the war will begin only then. America is bombarding from the air today, but to 'occupy Afghanistan, they will have to fight on the ground. When that happens, then the real war will begin.

Despite all this, how I had wished that Mulla Umar could have been a little diplomatic in his approach, in order to avoid a direct confrontation of this small poor Islamic state with the world of non-believers. But what can you say of the deep faith of this man who said 'if we live, it would be a life of righteousness, and if we die it would be in the way

CARE TO LOOK AT THE HAZY CANVAS OF THE APPROACHING TIMES

Shaikh-ul-Mukarram Ameer Mohammad Akram Awan MZA

I vividly remember that when Taliban came to power in Afghanistan, and their regime was duly recognized by Pakistan, it was for the first time that the Afghans were persuaded to surrender their arms. An exemplary peace was established after years of anarchy and unrest. Is it not extra ordinary that it was achieved without firing a single bullet! Although Taliban were still preoccupied with Jihad and the country was in a state of war, yet miraculously all kinds of crimes vanished from their land. Most part of Afghanistan was under the control of Taliban who were led by Mulla Umar.

It is however important to bear in mind that some people in Pakistan have also called themselves as Taliban, or say this name was given to them, but the majority among them is of those criminals who would kill innocent people for money on the behest of foreign agencies. They are also responsible for acts of explosions. Even the Masajid are not safe from their despicable acts. So, I am not talking about these people, who are neither justified in their actions nor do I support them. Rather, our interior minister has dubbed them as "Zaliman" (aggressors) and cautioned that they must not be considered as "Taliban" (students). However, I am concerned with only those Taliban who are practicing Muslims, are upright and appreciate righteousness. They were and are fighters for the just cause and are still busy fighting against the foreign aggressors. They tried to govern Afghanistan in the light of "Khilafat-e Islamia" and chose Mulla Umar as its Khalifah (head of the state). The land of Afghanistan is witness to the model peace that the Taliban were able to establish. The intellectuals are right, when they criticise that they could not establish institutions, but in doing so they forget that the Taliban emerged on the horizon because of their belief in Jihad and were still involved in war of all sorts. But despite that, they were able to provide inimitable justice which led to peace, the likes of which are rarely seen. Governors and other members of the government were living the life of an ordinary citizen, and anybody at anytime could approach them. Later on, only Ahmed Shah Masood from the Punj Sher Valley continued to fight with them, otherwise peace had prevailed in the rest of the country. And then...that tragic event occurred in America, which is known as 9/11. This unparalleled phenomenon proved to be so monumental that it turned the tide of time. Apparently, two aeroplanes burst into two buildings destroying them. But the after-effects of that catastrophe are still felt reverberating the world even today.

It is said that about five thousand people died in that grave incident but the whole world was pulled under its gravity and millions of people have been killed with impunity in different countries. There is little doubt that Afghanistan has suffered the most, but Pakistan's loss is no less, and there still seems no sign of abating. May Allah protect us all! Anyhow a situation had arisen wherein the blame was squarely put on Al-Qaeda and Osama Bin

speaking, but also possessed the quickness of mind to give befitting and appropriate answers to absurd and crooked arguments and altercations.

Although Hazrat Ji-rua had demonstrated his expertise at religious debates in his earlier student years, but at this juncture of his life, his days were being spent in absorption, contemplation and meditation. This was a period of total self-resignation and self-oblivion, a state which he had described in his own words, "I only want that there is just my Rabb (Lord) and me, and that nothing else exists between us". But this quietude was in fact a lull before a storm. The cause of this storm in the midst of the exhilarating period of the Pleasure of Divine Cognition and intrude upon Hazrat Ji-rua's serene solitude and to enforce his entry into the field of action for reformation of the situation, was an order from the Court of the Holy Prophet saws, which became the most important turning point of his rua life.

One day during a predawn Maraqbah, Hazrat Ji-rua presented himself, as usual, at the Court of the Holy Prophet saws and perceived that Allah's Prophet saws, without referring to anybody in particular, was saying:

"Efforts are being expended for the destruction and annihilation of Islam. My Companions rua are being made a target of criticism and ridicule and (some) people, despite possessing the capability of defending them, prefer to keep their personal loss in sight and remain silent. They should keep in mind what excuse will they submit before Allah-swt on the Day of Assembly."

"The structure of the Deen did not descend as a fully constructed building from Heaven. In its construction instead of bricks the bones of my Companions were used, my Companion's meat was its mortar and my Companion's blood was used instead of water."

Hazrat Ji-rua was startled on hearing these words and he felt that this message was directed towards him. Thereafter throughout his life Hazrat Ji-rua did not repose for a moment: through his preaching, through the might of his pen and by using his wealth and knowledge, he faced the dissenters with all his might and mane on every front.

This was a period when Manazaray (religious debates) were in vogue. These religious debates were so effective that they could sway a whole village to repent and reform without resorting to force of any type. The two parties would be seated next to each other to listen to the Manazara, they would tolerate each other but the victory of the group that won would be considered throughout the area as the proof of their being right. It was in this atmosphere that Hazrat Ji-rua entered the field of Manazaray, and within a short time from Mianwali to Multan, Hyderabad, Jhelum and even up to Azad Kashmir, became the Symbol of Truth against Dissention (Rifz) and Heresy.

It is difficult to fix an exact date for the initiation of this period which is believed to be slightly before 1950 but it is an established fact that by 1955 Hazrat Ji-rua was widely recognized by the title of 'Fatih Azam' (The Great Victor).

to Allah-[swt] in Paradise, it does not end. Here every signpost instead of inviting to repose, acts as a spur! Only that traveller of the Path is considered a capable rider who instead of travelling alone, acts as a caravan guide; props the faltering, points the wayward towards their destination and urges the tired to resume their journey. For one who is simultaneously submerged in the Intoxication and Joy of (Divine) Cognition, to take care of the others is an arduous task and not everybody has this competence. On this exalted path we find only a handful of exalted personalities, who even today, act as the Caravan Guide, and Hazrat Ji [rua] occupies a unique place among them.

A brief reflection of Hazrat Ji-[rua]'s spiritual journey has already been described in the previous chapter and although it is impossible to imagine the extent of his spiritual ascent, it must be remembered that in the history of Tasawwuf (Mysticism) the highest stations that were bestowed on other Illustrious personalities towards the end of their lives, had been crossed by Hazrat Ji [rua] in his primary stages of Sulook. Then there came a time after which he passed directly under the direct Tawajjuh (attention or care) of Allah[swt].

During this journey towards Qurb-e Ilahi, the pleasure of Divine cognition was constantly increasing as he was attaining to higher stations and that made Hazrat Ji [rua] indifferent to both worlds.

This was the period after 1947 when Hazrat Ji-[rua] was permanently residing in Chakrala. After dispensing lessons, he would spend most of his time in contemplation and meditation. He would offer his Farz Salah in the Masjid with the Jama'at and then withdraw to his private room where during Zikr and meditation he would remain mostly in 'Istighraq' (deep absorption) and would spend most of the time in Maraqbah, specially the Maraqbah of 'Fana fir Rasool'.

In the past Hazrat Ji-[rua] had uprooted from Chakrala the Fitnah (mischief) created by Abdullah Chakaralwi's refusal to accept the Hadith, and had stamped out forever 'Chakaralawi' - the religion named after him, but now a far greater mischief (Fitnah) was threatening to take hold in Chakrala and the environs of the Potohar plateau and Soan Sakesar valley. This was the Fitnah of Dissension that had been successfully put down by the learned Ulama in large towns and cities. Now it turned its attention towards the villages to corrupt the faith of the simple Muslim villagers by means of Manazray (Polemic dialogue). The religious scholars living in small villages did not possess much knowledge about false doctrines, and during these religious debates instead of providing reason and supplying proof, their argument would draw support from taunts, jest and meaningless talk. On the other hand the dissenters were well versed in their art, therefore the local scholars would be badly vexed and unable to answer their queries knowledgeably, with the result that the scale of the dissenters remained weighty. Only those scholars could have been capable of defending the Truth, who along with understanding the Tenets of Islam, were also knowledgeable about False doctrines specially the history of Dissent and had a complete command over the articles of the false faith; and were not only equipped in the art of public

Hayat-e-Javidan

A Life Eternal (Translation)

The Pleasure of Cognition

Abandoning the world or asceticism is not an obligatory part of Tasawwuf, neither is it considered laudable by the Men of God, although there is a common misconception among ordinary folk that seclusion is the essence of Tasawwuf and the height of Wilayah (sainthood). There is reasonable ground for this common belief: As one advances through the stages of Sulook, the inclination to disconnect from worldly affairs coupled with an inclination for solitude, sometimes becomes overly excessive, giving the impression that seclusion is necessary for gaining ranks of Qurb-e Ilahi (Nearness to Allah-swt).

The reality is that the ranks of Qurb-e Ilahi that were conferred upon the pious company of the Companions (of the Holy Prophet-saws), will never be attained by anyone after them. Rather than reclusion, their lives are the finest example of sociability and a practical life style. If according to the prevalent misconception about Tasawwuf, these holy men had adopted solitude to manifest their attachment to Allah-swt, then the presence of Islam on this earth would not have been possible today. Similarly those who came after them were considered professors of rank and dignity only if they followed in the footsteps of the Companions-rau. Only he was worthy of being called a Shaikh, a Guide, or received Grand Wilayah (sainthood), who through his unceasing effort established a movement, impressed peoples' thinking, and performed his duty for the purification and revival of Islam to such an extent that the marks which he left behind could not be obliterated by the ravages of Time.

While progressing through the stages of Sulook, however, one enters a state whereby due to one's realization of a Relationship with Allah-swt and His Nearness, overwhelms and subdues all other desires and relationships. This feeling of pleasure and absorption is very aptly described by a poet:

The two worlds become a stranger to the Heart
What a delight is this Joy of (Divine) Cognition!

Hazrat Ji-rua described this state as: "I only want that there is just my Rabb (Lord) and me, and that nothing else exists between us".

Only one burning desire remains; that these moments of Nearness and Union may become eternal and no other thought intrudes to dilute the contemplation of the Beloved. One thirsts for further proximity and is consumed by the quest for the next stage of Sulook A path towards Allah-swt gets carved out, but as its destination is unmarked because the journey is endless. This is one journey that continues even after death and despite attaining nearness